الرسالہ

ISSN 0970-180X

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

غیر مومن کی نظر اپنے کارناموں پر ہوتی ہے
اور مومن کی نظر اپنی خطاؤں اور کوتاہیوں پر


دسمبر ۱۹۹۰

شمارہ ۱۶۸

تذکیر القرآن

جلد اول : سورۃ فاتحہ ۔ سورۃ بنی اسرائیل
جلد دوم : سورۃ الکہف ۔ سورۃ الناس

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہمِ قرآن کی کنجی ہے۔

شمارہ ۱۶۹ دسمبر ۱۹۹۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرسالہ

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

فہرست

کلمۂ معرفت	۲	تعمیر کی طاقت	۱۷
منصوبۂ خداوندی	۳	اسلام کا سیلاب	۲۰
آج اور کل	۶	غلط فہمی	۲۴
شاعرانہ خیال آرائی	۷	سفرنامہ ـ ۴	۲۶
سبب یہاں ہے	۹	قومی نہ کہ اسلامی	۳۹
خدمت کا کرشمہ	۱۴	محتسبِ اقوام یا خیرخواہ اقوام	۴۰
پیشگی جانچ	۱۵	قرآنی تدبیر از مولانا محمد منظور نعمانی	۴۱
جذبۂ عبودیت	۱۶	خبرنامہ اسلامی مرکز ـ ۶۷	۴۵

AL-RISALA (Urdu) Monthly
The Islamic Centre C-29 Nizamuddin West, New Delhi 110 013, India
Telephone: 611128, 697333 □ Telex: 031-61758 FLSH IN ATT IC
Fax: 91-11-353318, 3312601
Annual Subscription: Inland Rs. 60 □ Abroad US $ 25 (Air Mail)

کلمۂ معرفت

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (الاحقاف ۹)

کہو کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔ اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ آتا ہے۔ اور میں صرف ایک کھلا ہوا آگاہ کرنے والا ہوں۔

یہی بات حدیث میں بھی آئی ہے۔ ایک واقعہ کے ذیل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم، میں نہیں جانتا، اگرچہ میں خدا کا رسول ہوں، کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ (واللہ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم، التفسیر المظہری، ۸/۳۹۶)

اس حدیث میں جو بات کہی گئی ہے، وہ کلمۂ عبدیت ہے نہ کہ کلمۂ آخرت۔ یعنی یہ عبدیت کے احساس کے تحت نکلے ہوئے الفاظ ہیں، یہ آخرت کے فیصلہ کا اعلان نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے لیے اور اپنے تمام سچے بندوں کے لیے مغفرت کا اعلان فرمایا ہے۔ مگر ایک صاحب معرفت بندہ جب یہ سوچتا ہے کہ میں عاجز مطلق ہوں اور خدا قادر مطلق ہے۔ اور آخرت کے فیصلہ کا اختیار یک طرفہ طور پر صرف خدا کے ہاتھ میں ہے تو رحمت کے یقین کے باوجود وہ کانپ اٹھتا ہے۔ خدا کی عظمت کے احساس سے اس پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

ایک طرف اس کو خدا کی رحمت کا یقین ہوتا ہے اور دوسری طرف خدا کی پکڑ کا اندیشہ۔ یہ صورت حال اس کو امید اور خوف کے عین درمیان کھڑا کر دیتی ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے اس کو اپنا معاملہ بالکل ففٹی ففٹی (fifty-fifty) کا سا نظر آنے لگتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ "مایفعل بی ولا بکم" معرفت کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ جس آدمی کو خدا کی معرفت جتنی زیادہ ہوگی، اتنا ہی زیادہ اس کے اندر عظمت خداوندی کا احساس بڑھتا چلا جائے گا۔ اور عظمت خداوندی کا حقیقی ادراک آدمی کی زبان سے جو کلمہ نکلواتا ہے وہ یہی کلمہ ہے۔

منصوبۂ خداوندی

قرآن میں مومنین صالحین کو خیر البریہ کہا گیا ہے اور ان کے لئے ہمیشہ کی جنت کا وعدہ کیا گیا ہے (البینہ) یہ کون لوگ ہیں جو اس عظیم فضل کے مستحق قرار پائیں گے۔ ایک لفظ میں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی صفت یہ ہوگی کہ وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ ان سے راضی ہوگیا (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)

مومن کے اللہ سے راضی ہونے (ورضوا عنہ) کا ایک پہلو خالص شخصی ہے۔ یعنی اپنی ذات کے معاملہ میں اپنی پسند کو چھوڑ کر اللہ کی پسند کو اختیار کر لینا۔

اس کا دوسرا پہلو وہ ہے جو دنیا میں اللہ کے منصوبہ کو جاری کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے ورضوا عنہ کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اپنے آپ کو اللہ کے منصوبہ میں شامل کریں۔ وہ اپنے جان و مال کو منصوبۂ الٰہی کی تکمیل میں لگانے پر راضی ہو جائیں۔

اس معاملہ کی پہلی اور کامل مثال وہ ہے جو اصحاب رسول نے اپنی قربانیوں سے قائم کی۔ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اللہ کا خاص منصوبہ یہ تھا کہ ایک ایسا انقلاب لایا جائے جس کے بعد صرف عقیدۂ توحید کو فکری عظمت حاصل رہے۔ دوسرے تمام عقیدے اور نظریے اپنا فکری جواز کھو دیں۔ یہی بات ہے جو قرآن میں ان لفظوں میں کہی گئی ہے: وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة.

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عالمی سطح پر ایک عظیم انقلاب لانا تھا جو صرف عظیم قربانی ہی کے ذریعہ ممکن ہو سکتا تھا۔ صحابہ کرام نے پوری رضامندی کے ساتھ اپنے آپ کو اس منصوبۂ الٰہی میں شامل کیا۔ اس میں وہ اس حد تک پورے اترے کہ ان کی زندگی ہی میں ان کے بارے میں اعلان کر دیا گیا کہ رضی اللہ عنہم۔

اس انقلاب کے مختلف پہلو تھے۔ اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ خدا کے دین کو ایک تاریخی واقعہ بنا دیا جائے۔ اس سے پہلے ایک سو ہزار سے زیادہ پیغمبر آئے۔ مگر دین خداوندی ایک تسلیم شدہ واقعہ کی حیثیت سے تاریخ میں ریکارڈ نہ ہو سکا۔ صحابۂ کرام نے اپنی قربانیوں سے دین خداوندی کو مرحلۂ دعوت سے نکال کر مرحلۂ انقلاب اور درجۂ استحکام تک پہنچا دیا۔

آج دوبارہ اللہ تعالیٰ کا ایک منصوبہ ہے۔ وہ دوبارہ تقاضا کر رہا ہے کہ اہل ایمان اپنے آپ

کو اس منصوبۂ خداوندی میں شامل کریں۔ وہ اپنی تمام طاقتیں خرچ کرکے اس منصوبہ کو تکمیل تک پہنچائیں۔ جو لوگ اس پر راضی ہوں کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے اس منصوبہ میں شامل کریں، ان کے لئے خدا کی طرف سے پیشگی طور پر یہ خوش خبری ہے کہ وہ ان سے راضی ہوگا اور ان کو ابدی جنتوں میں داخل کرے گا۔

یہ منصوبہ کیا ہے۔ یہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ امام احمد اور دوسرے محدثین نے اس کو سند صحیح سے نقل کیا ہے۔ حضرت مقداد کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ زمین کی سطح پر کوئی کچا یا پکا گھر ایسا نہیں بچے گا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کا کلمہ داخل کر دے گا (لا یبقی علی ظہر الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام، مشکوۃ المصابیح، الجزء الاول، صفحہ ۲۰)

قدیم زمانہ میں یہ واقعہ ممکن نہ تھا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں اس کے ذرائع حاصل نہ تھے۔ موجودہ زمانہ میں جو وسائل اعلام (پرنٹ میڈیا، الکٹرانک میڈیا) ظہور میں آئے ہیں، انھوں نے پہلی بار اس کو ممکن بنادیا ہے کہ ساری دنیا کے ایک ایک گھر میں اسلام کا پیغام پہنچایا جاسکے۔

جدید وسائل اعلام کے ظہور کے باوجود دوسری دنیا (کمیونسٹ بلاک) میں اسلام کا پیغام پہنچانا بظاہر ناممکن نظر آرہا تھا۔ مگر ۹۰-۱۹۸۹ میں جو تبدیلیاں سامنے آئی ہیں انھوں نے حیرت انگیز طور پر اس رکاوٹ کو بھی ختم کر دیا ہے۔ ٹائم میگزین (۱۲ مارچ ۱۹۹۰) نے بجا طور پر اس کو سوویت ایمپائر کے انہدام سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد سوویت روس میں ازسرنو اسلام کی اشاعت کے نئے دروازے کھل گئے ہیں۔ ٹائم (۱۲ مارچ ۱۹۹۰) نے ایک باتصویر رپورٹ چھاپی ہے۔ اس کا عنوان بامعنی طور پر یہ ہے کہ کارل مارکس محمد کو جگہ دیتا ہے:

Karl Marx makes room for Muhammad

جمہوریت اور آزادی کے انقلاب کے نتیجہ میں مذہبی اشاعت کی مکمل آزادی، سوویت روس میں میخائیل گورباچیف کی لائی ہوئی تبدیلیوں کے بعد مذہب کے لئے آزادانہ مواقع کھلنا، جدید وسائل اعلام کے ذریعہ یہ ممکن ہو جانا کہ ساری دنیا کے تمام لوگوں تک اسلام کا پیغام حق پہنچایا جاسکے، یہ واقعات واضح طور پر یہ اشارہ کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کے زمانہ کے لئے اسلام کی عمومی

اشاعت کی جو پیشین گوئی فرمائی تھی، اس کا وقت پوری طرح آچکا ہے۔

خدا نے اپنا کام کر دیا ہے۔ اب اہل ایمان کو اپنے حصہ کا کام کرنا ہے۔ خدا اپنے منصوبہ کے مطابق ضروری مواقع مہیا فرماتا ہے۔ اس کے بعد خدا کے مومن بندے اٹھتے ہیں اور ان مواقع کو استعمال کرکے اس منصوبہ کی تکمیل کرتے ہیں۔

ساتویں صدی میں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ختم شرک کے منصوبہ کے لئے تمام ضروری مواقع جمع کر دئے تھے۔ رسول اور اصحاب رسول نے ان مواقع کو استعمال کرکے خدا کے منصوبہ کو عملی واقعہ بنایا۔ اسی طرح موجودہ زمانہ میں اسلام کی عمومی اشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ کا جو منصوبہ ہے، اس کے تمام ضروری اسباب مہیا کر دئے گئے ہیں۔ خدا نے دوبارہ اپنا کام کر دیا ہے۔ اب خدا کے بندوں کو اٹھنا ہے اور پیدا شدہ مواقع اور اسباب کو استعمال کرکے دوبارہ خدا کے منصوبہ کو عملی طور پر مکمل کر دینا ہے۔

خدا کا دین قرآن کی زبان میں آواز دے رہا ہے کہ مَنْ انصاری الی اللہ۔ اہل ایمان کو اس کے جواب میں کہنا ہے کہ نحن انصار اللہ۔ یہ تاریخ کا نازک ترین لمحہ ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس لمحہ کو پہچانیں اور اپنا سب کچھ اس کی بجا آوری میں لگا دیں۔

خاص نمبر

الرسالہ کا اگلا شمارہ جنوری 1991 موجودہ حالات کے بارہ میں ہوگا اور وہ خصوصی نمبر کے طور پر شائع کیا جائے گا۔ اس کا نام "روشن مستقبل" ہوگا۔ اصحاب ایجنسی اگر تعداد میں کوئی تبدیلی کرنا چاہیں تو فوراً مطلع فرمائیں۔

سرکلیشن منیجر

آج اور کل

گریٹا گاربو (Greta Garbo) ایک مشہور امریکی ایکٹرس ہے۔ وہ ۱۹۰۵ میں پیدا ہوئی۔ اور ۱۹۹۰ میں اس کا انتقال ہوا۔ وہ اسکرین کی ایک انتہائی مسحورکن (most glamorous) شخصیت سمجھی جاتی تھی۔ مگر اپنی شہرت کے عین عروج کے زمانہ میں ۱۹۳۶ میں وہ فلم سے ریٹائر ہو گئی اور نیویارک کے ایک مکان میں مکمل تنہائی کی زندگی گزارنے لگی۔ یہاں تک کہ اسی تنہائی میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

گریٹا گاربو نے پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک تنہائی کی زندگی کیوں گزاری۔ یہ ایک اہم سوال ہے۔ اس کے بارے میں خود خاتون نے کبھی کوئی بیان نہیں دیا۔ اس کے ایک تبصرہ نگار نے اس کی بابت جو الفاظ لکھے ہیں اس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

> Garbo took her moment, and when she realised that it was over she retired into her private world. She did not want the crowd to see the degrading of her beauty.,It had to remain perfect or not be seen at all. What were her thoughts in her half century of exile from cinema? We will never know perhaps. But I would guess she suffered deeply but serenely. She must have watched the passing years go by with the same wisdom with which she endowed her great heroines.

گاربو اپنی قدر و منزلت کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئی۔ اور جب اس نے محسوس کیا کہ اب وہ ڈھلنے لگی ہے تو وہ اپنی تنہائی کی دنیا میں گوشہ نشین ہو گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ لوگ اس کی کشش کو کم ہوتے ہوئے دیکھیں۔ یا تو اس کو معیاری حالت میں نظر آنا تھا یا سرے سے نظر ہی نہیں آنا تھا۔ آدھی صدی تک سنیما سے علیحدگی کے بعد اس کے خیالات کیا تھے، اس کو شاید ہم کبھی نہ جان سکیں گے۔ مگر میرا قیاس ہے کہ اس کو اپنی اس حالت کا شدید غم تھا۔ اس نے اپنے بعد کے سالوں کو اسی سمجھ داری سے گزارا جس کو اس نے اداکاری کے دوران ہیروئن کے اندر دکھایا تھا۔

انسان آج اپنے وجود کی جزئی نفی کو بھی برداشت نہیں کرتا۔ کل اس کا کیا حال ہوگا جب اس کے وجود کی کلّی نفی کی جائے گی، اور اس کے لیے کوئی گوشہ نہ ہوگا جہاں جا کر وہ اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے چھپا سکے۔ کیسا عجیب ہے انسان اور کیسا عجیب ہے انسان کا معاملہ۔

شاعرانہ خیال آرائی

رائے قائم کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ہے فرضی تخیل کی بنیاد پر رائے قائم کرنا۔ دوسرا ہے، حقائق کی بنیاد پر رائے قائم کرنا۔ شاعر فرضی تخیل کی بنیاد پر اپنی رائے بناتا ہے۔ حکیم یا مفکر وہ ہے جو حقیقتِ واقعی کی بنیاد پر اپنی رائے بنائے۔

شیخ سعدی شیرازی (۱۲۹۲ - ۱۲۱۳ء) ایک شاعر تھے۔ وہ اپنے ایک قطعہ میں کہتے ہیں کہ نوح پیغمبر کا بیٹا بردں کی صحبت میں بیٹھا تو پیغمبر کے خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ بگڑ گیا اور اصحاب کہف کا کتا چند دن نیکوں کی صحبت میں رہا تو وہ انسان ہو گیا:

پسر نوح با بداں بنشست — خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند — پۓ نیکاں گرفت مردم شد

ان اشعار کا تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس میں جو بات کہی گئی ہے، وہ فرضی تخیل کی بنیاد پر کہی گئی ہے نہ کہ حقائق کی بنیاد پر۔ حضرت نوح کے لڑکے کے بگڑنے کا سبب بروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بتایا گیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس سے زیادہ اُس کا اٹھنا بیٹھنا خود اپنے باپ حضرت نوح کے ساتھ تھا۔ پھر کیسے ایک کا اثر ہوا۔ اور دوسرے کا اثر نہیں ہوا۔ اسی طرح اصحاب کہف کے کتے کی وفاداری کو صحبت کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ حالاں کہ کتے کے بارہ میں عام تجربہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کی بنا پر اپنے مالک کا وفادار ہوتا ہے نہ کہ صحبت پکڑنے کی بنا پر۔

بدقسمتی سے موجودہ زمانہ میں مسلمانوں میں جو رہنما اٹھے وہ اسی قدیم دورِ شاعری سے متاثر تھے۔ چنانچہ انھوں نے نثر میں اسی قسم کی شاعری شروع کر دی۔ انھوں نے فرضی تخیل کی بنیاد پر ایک رائے قائم کی۔ اور اس کو نظریہ کے انداز میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ حالاں کہ نظریہ وہ ہے جو حقائق کے گہرے تجزیہ کی بنیاد پر وضع کیا گیا ہو نہ کہ شاعرانہ خیال آرائی کی بنیاد پر۔

یہی سب سے بڑی وجہ ہے جس کی بنا پر موجودہ زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان بڑی بڑی تحریکیں اٹھیں، مگر عملاً وہ اتنی بے نتیجہ ثابت ہوئیں جیسے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ مثلاً جمال الدین افغانی کی اتحاد اسلامی، محمد علی کی خلافت تحریک، ابوالاعلیٰ مودودی کی حکومتِ الٰہیہ، وغیرہ۔

آسان طریقہ

پروفیسر رشید احمد صدیقی (۱۹۷۷ - ۱۸۹۲) جون پور میں پیدا ہوئے۔ وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے صدر تھے۔ ان کی شہرت زیادہ تر مزاح نگار کی حیثیت سے ہوئی۔ مزاحیہ نگاری میں وہ اردو کے ممتاز لکھنے والوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

موصوف کے ایک رفیق آل احمد سرور نے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ "پروفیسر رشید احمد صدیقی نے ایک دفعہ اپنا ایک مضمون مجھ سے لے کر کہیں اور شائع کر دیا۔ میں اسے ماہنامہ اردو ادب میں دینا چاہتا تھا۔ میں نے اس پر احتجاج کیا تو انھوں نے نوٹس نہ لیا۔ پھر میں نے فریاد کی تو محرم کا مہینہ اسی زمانہ میں گزر چکا تھا۔ رشید صاحب نے لکھا کہ ——— محرم ختم ہو گیا، ماتم موقوف کیجیے۔" (قومی آواز ۲۲ اپریل ۱۹۹۰)

جواب کا یہ طریقہ بعض اوقات نہایت مفید ہوتا ہے۔ علمی تبادلۂ خیال میں منطقی طریقہ ہی مناسب ہے۔ علمی گفتگو میں طنز و مزاح کے الفاظ بولنا ایک معیوب فعل سمجھا جاتا ہے، مگر دوسرے بہت سے مواقع ایسے ہیں جہاں مذکورہ قسم کا ہلکا انداز زیادہ کار آمد ہے۔

خاص طور پر جب دو شخص یا دو گروہ میں تلخی کی صورت پیدا ہو جائے تو ایسے موقع پر سنجیدہ مزاح کا طریقہ ہی زیادہ مناسب ہے۔ تلخی اور کشیدگی کے وقت آدمی اس حالت میں نہیں ہوتا کہ وہ دلائل کی زبان کو سمجھے۔ ایسے وقت میں بہترین صورت یہی ہے کہ کوئی پُر لطف جملہ بول کر ذہن کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دیا جائے۔

یہ اصول گھریلو سطح پر بھی کار آمد ہے، اور جماعتی سطح پر بھی اور دو گروہوں کے باہمی نزاعات کے موقع پر بھی۔ آدمی اگر اپنے ہوش و حواس نہ کھوئے، اور جھنجلاہٹ سے اوپر اٹھ کر سوچ سکے تو وہ ہر ایسے موقع پر کوئی دل چسپ بات پالے گا جس سے وہ لوگوں کی برہمی کو ٹھنڈا کر سکے۔

مزاح کو اگر عادت کے طور پر اختیار کیا جائے تو وہ ایک معیوب بات ہے۔ لیکن مزاح کو اگر تدبیر کے طور پر اختیار کیا جائے تو وہ ایک پسندیدہ چیز بن جائے گی۔ کیوں کہ بعض اوقات مزاحیہ کلام وہ کام کر دیتا ہے جو سنجیدہ کلام نہیں کر سکتا۔

سبب یہاں ہے

۱۷ مارچ ۱۹۹۰ کو میں دہلی سے ایک بیرونی سفر پر روانہ ہوا۔ اردن ایئر لائنز پر سفر کرتے ہوئے اس کا انفلائٹ میگزین الاجنحۃ (مارچ ۱۹۹۰) پڑھنے کو ملا۔ اس کے صفحہ ۵۸ پر ایک عرب خاتون لیما نبیل کا مضمون چھپا ہوا تھا۔

مذکورہ عرب خاتون اسپین (غرناطہ) گئیں۔ وہاں انھوں نے عرب دور کے آثار دیکھے۔ ان پُر عظمت آثار کو دیکھ کر وہ رو پڑیں۔ یہاں انھوں نے تاریخ النصر العربی کو بھی دیکھا اور تاریخ الذل العربی کو بھی۔ انھوں نے کہا کہ کبھی عرب کی عظمت یہاں تھی، اور یہیں سے پانچ سو سال پہلے عرب کی ذلت شروع ہوئی۔ وہ اپنے دل سے پوچھتی رہیں کہ عرب کی یہ رات کب تک باقی رہے گی (الی متی سیستمر ہذا اللیل العربی)

سفر سے واپس آیا تو ڈاک میں دہلی کا سہ روزہ دعوت (۲۸ مارچ ۱۹۹۰) موجود تھا۔ اس کے پہلے صفحہ کے مضمون کی سرخی ان الفاظ میں چھپی ہوئی تھی: اسلامی دنیا آخر اتنی بے سہارا، بے وقعت اور بے وزن کیوں بن کر رہ گئی ہے۔

اس قسم کے مضامین آج مسلم دنیا کے کسی بھی پرچہ اور کسی بھی میگزین میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اسی صورت حال سے متاثر ہو کر مشہور عرب ہفتہ وار الدعوۃ نے اپنے شمارہ ۱۲ ذی القعدہ ۱۴۰۵ھ (۲۹ جولائی ۱۹۸۵) میں ایک مضمون شائع کیا تھا۔ اس میں موجودہ حالات کا ذکر تھا۔ اس مضمون کا عنوان ان لفظوں میں قائم کیا گیا تھا: الیس للدین رب یحمیہ (کیا اس دین کا کوئی رب نہیں جو اس کی مدد کرے)

یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کی دنیا میں مسلمان سب سے زیادہ پست اور حقیر اور مغلوب قوم بن گئے ہیں۔ ان کا یہ حال صرف ان ملکوں میں نہیں ہے جہاں وہ اقلیت کی حیثیت سے آباد ہیں۔ ان کا یہی حال ان ملکوں میں بھی ہو رہا ہے جہاں وہ اکثریت کی حیثیت رکھتے ہیں اور جہاں بظاہر ان کی آزاد حکومتیں قائم ہیں۔

یہاں بنیادی سوال یہ ہے کہ ان کی کس کمی کی بنا پر ان کا یہ حال ہو رہا ہے۔ گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو آج مسلمانوں کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ بظاہر ان کے پاس دین اور دنیا دونوں ہمیشہ سے زیادہ

مقدار میں موجود ہیں ۔

آج دنیا میں مسلمانوں کے ۵۶ با اختیار ممالک ہیں ۔ مسلمانوں کی تعداد ساری دنیا میں ایک ارب ہے ۔ یہ تعداد ماضی کے کسی بھی دور کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ہے ۔ مسلمانوں کے درمیان آج ہمیشہ سے زیادہ مسجدیں اور مدرسے ہیں ۔ ۱۹۲۵ میں حج کا فریضہ ادا کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی کم (90,622) تھی ۔ ۱۹۹۰ میں جن مسلمانوں نے حج ادا کیا ، ان کی تعداد پندرہ لاکھ (1,500,000) ہے ۔ جب کہ اس سال ایرانی مسلمان حج کے لئے نہیں آئے تھے ۔

قرآن اور حدیث اور دوسری اسلامی کتابیں آج اتنی زیادہ مقدار میں ہیں کہ ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا ۔ خدا اور رسول کے نام پر آج جتنے جلسے اور سمینار اور کانفرنسیں ہو رہی ہیں ان کی تعداد ساری انسانی تاریخ میں ہونے والے تمام جلسوں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے ۔ آج مسلمان ایسے اسلامی اجتماعات منعقد کر رہے ہیں جن میں ۲۵ لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمی بیک وقت جمع ہوتے ہیں ، جب کہ رسول اللہ کے آخری اجتماع (حجۃ الوداع) میں جمع ہونے والے مسلمانوں کی کل تعداد بمشکل سوا لاکھ تھی ۔ آج اسلامی نظام قائم کرنے کے نام پر اتنے ہنگامے جاری ہیں کہ اگر تمام انبیاء کی مجموعی آوازیں اکٹھا کی جائیں تو ان کی آوازیں اس کے مقابلہ میں دب کر رہ جائیں گی ۔ آج مسلمانوں نے اتنے بڑے بڑے اکابر پیدا کر رکھے ہیں جن میں سے کوئی " عہد آفریں شخصیت " کا حامل ہے اور کسی کے متعلق اس کے معتقدین یہ اعلان کر رہے ہیں کہ :

ہمارے حضرت والا کے فیض سے یارو   تمام عالم اسلام جگمگا یا ہے

یہ تمام چیزیں مسلمانوں کے پاس وافر مقدار میں موجود ہیں ۔ اس کے باوجود وہ ساری دنیا میں پست اور حقیر ہو رہے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان سب کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جو مسلمانوں کو عزت اور غلبہ کے مقام تک پہنچاتی ہے ، اور وہی چیز آج ان کے پاس موجود نہیں ۔

اگر آپ اسلام کی مطلوبہ چیزوں کی فہرست بنا کر اس معاملہ پر غور کریں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ موجودہ مسلمانوں کے یہاں اگرچہ تمام چیزیں موجود ہیں ، مگر ایک چیز ان کے درمیان سے مکمل طور پر غائب ہے ، اور وہ دعوت ہے ۔ بدقسمتی سے جو چیز حذف ہوئی وہی اس معاملہ میں اصل اہمیت رکھتی تھی :

ہماں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا ایں جا است

آج مسلمانوں کے درمیان ہر قسم کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ مگر دعوت ہی ایک ایسا کام ہے جس کا ان کے یہاں سرے سے کوئی وجود نہیں۔ اس معاملہ میں ان کی دوری کا یہ حال ہے کہ وہ دوسرے دوسرے کام کرتے ہیں اور اس پر دعوت کا لیبل لگا دیتے ہیں۔ کوئی مسلمانوں کی اصلاح کے کام کو دعوت بتا رہا ہے کوئی اپنے قومی فخر کے اظہار کو دعوت کا نام دئے ہوئے ہے۔ کوئی دوسری قوموں سے قومی اور مادی جنگ لڑتا ہے اور اس کو دعوت کا عمل قرار دیتا ہے۔ کوئی شاعری اور خطابت کے مظاہرے کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ دعوت کا کام انجام دے رہا ہے۔ وغیرہ

دعوت دراصل دعوت الی اللہ کا نام ہے۔ اس سے مراد وہ عمل ہے جس کو قرآن میں انذار وتبشیر کہا گیا ہے۔ یعنی اقوام عالم کو خدا کی مرضی سے آگاہ کرنا۔ انھیں آنے والے دن سے باخبر کرنا۔ انھیں خدا کے اُس منصوبہ کی اطلاع دینا جو خدا نے زندگی اور موت کے بارہ میں مقرر فرمایا ہے۔ ایک لفظ میں یہ کہ خدا کے بندوں کو جہنم کے راستہ سے ہٹا کر جنت کے راستہ پر لگانے کی کوشش کا نام دعوت ہے۔

دعوت کا یہ عمل ہمیشہ محبت کی زمین پر اگتا ہے۔ دعوت کا کام وہ لوگ انجام دیتے ہیں جو انسانوں کے انجام آخرت کو سوچ کر تڑپ اٹھے ہوں اور انھیں خدا کی پکڑ سے بچانے کے لئے دیوانہ وار نکل پڑیں۔ مدعو کو محبوب بنائے بغیر کبھی دعوت کا کام انجام نہیں دیا جا سکتا۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو دوسری قوموں کی طرف سے ذلت اور ہزیمت کا تجربہ ہوا۔ اس تجربہ نے مسلمانوں کے دلوں میں دوسری قوموں کے لئے نفرت پیدا کر دی۔ وہ دوسری قوموں کو دشمن یا حریف کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ دوسری قومیں مسلمانوں کے لئے محبت کا موضوع نہ رہیں، وہ صرف نفرت کا موضوع بن کر رہ گئیں۔ یہی وہ اصل سبب ہے جس نے مسلمانوں سے داعیانہ جذبہ کو چھین لیا۔ اور ان کے درمیان دعوتی عمل کو زندہ ہونے نہیں دیا۔

دین رحمت کی پیغام رسانی کے لئے داعی کے اندر محبت وشفقت کا جذبہ ہونا لازمی طور پر ضروری ہے۔ کوئی شخص ایسے لوگوں کے اوپر دعوت کے فرائض انجام نہیں دے سکتا جو اس کی نظر میں مبغوض بنے ہوئے ہوں۔ مسلمانوں نے دوسری قوموں سے نفرت کر کے اپنے اندر داعیانہ صلاحیت کھو دی ہے۔ موجودہ حالت میں ان کا دعوت کا نام لینا صرف ایک مذاق ہے، وہ کسی سنجیدہ ارادہ کا اظہار نہیں۔

دعوت الی اللہ کی لازمی شرط صبر ہے۔ مسلمانوں کو داعی بننے کے لئے سب سے پہلے صابر بننا پڑے گا۔

دوسری قوموں سے خواہ انھیں کتنی زیادہ ناخوشگواری کا تجربہ ہو۔ دوسری قوموں کی طرف سے انھیں خواہ کتنا ہی زیادہ مادی نقصان پہنچایا جائے۔ دوسری قوموں کی جانب سے خواہ انھیں کتنا ہی زیادہ اشتعال انگیزی کا تجربہ ہو، ان سب کے باوجود انھیں دوسری قوموں کا خیر خواہ بنے رہنا ہے۔ انھیں یک طرفہ طور پر تمام ناخوشگوار باتوں کو صبر کے خانہ میں ڈال دینا ہے۔

یک طرفہ صبر دعوت کے عمل کو انجام دینے کی لازمی شرط ہے۔ اس یک طرفہ صبر کے بغیر مسلمانوں کے لئے ممکن نہیں کہ وہ دوسری قوموں پر اپنی دعوتی ذمہ داری کو ادا کر سکیں۔ اور جب تک مسلمان اپنی دعوتی ذمہ داری کو انجام نہ دیں، ان کے حالات کبھی بدلنے والے نہیں۔ کوئی دوسرا عمل خواہ کتنی ہی زیادہ بڑی مقدار میں کیا جائے، وہ ان کے احوال کو بدلنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

دعوت الی اللہ کی ذمہ داری اتنی سنگین ہے کہ اس میں معمولی کوتاہی بھی اللہ تعالی کے یہاں ناقابل قبول ہے، کجا کہ اس کو مستقل طور پر ترک کر دیا جائے۔

یہ معاملہ سیدنا یونس علیہ السلام کی مثال سے بخوبی طور پر واضح ہے۔ حضرت یونس قدیم عراق (نینوا) میں دعوت توحید کے لئے بھیجے گئے۔ انھوں نے اہل نینوا کو دعوت دی۔ مگر ابھی دعوت کا عمل اپنی تکمیل (اتمام حجت) تک نہیں پہنچا تھا کہ وہ قوم کو چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ اللہ تعالی کو ان کی یہ روش پسند نہیں آئی۔ ان کو مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیا گیا۔ قرآن کا بیان ہے کہ اگر وہ اپنی کوتاہی کا اقرار کر کے دوبارہ اپنی مخاطب قوم کی طرف جانے کے لئے تیار نہ ہوتے تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں پڑے رہتے (الصافات ۱۴۴)

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ انھوں نے اپنی مدعو اقوام پر دعوت کا عمل سرے سے انجام نہیں دیا۔ بلکہ اپنی نفرت بڑھانے والی سرگرمیوں کے ذریعہ اس کی راہ میں مزید رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ اس غفلت کے نتیجہ میں وہ خدا کی گرفت میں آگئے ہیں۔ وہ آج خدا کے عتاب کی زد میں ہیں۔ وہ تمام زیادتیاں جن کا تجربہ انھیں دوسری قوموں کی طرف سے ہو رہا ہے اور جس کو وہ دوسری قوموں سے منسوب کر کے ان کے خلاف احتجاج یا ٹکراؤ کر رہے ہیں، وہ سب یقینی طور پر خدا کی طرف سے ہیں۔ یہ خدا کی تنبیہ ہے نہ کہ دوسری قوموں کا ظلم یا سازش۔

معاملہ کی اس نوعیت کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ کیوں کہ ایک معاملہ جو خدا کی طرف سے ہو، اس کو آپ انسان کی طرف سے سمجھ لیں تو آپ اس سے خلاصی کی تدبیر کو بھی صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ معاملہ اپنی آخری صورت میں عین وہی ہے جو اپنی ابتدائی صورت میں بلاتشبیہ حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آج دنیا بھر کے مسلمان "مسائل کے پیٹ" میں ہیں۔ ان کو مسائل کی عظیم مچھلی نے نگل رکھا ہے۔ ان کو فالتقمہ الحوت کا تجربہ کرایا جارہا ہے۔

مسلمان اس پیٹ سے ہرگز نکل نہیں سکتے جب تک وہ دعوت الی اللہ کے معاملہ میں اپنی کوتاہی کی تلافی نہ کریں۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اس خدائی کام کے لئے اٹھیں اور اس کو اس کے تمام آداب و شرائط کے ساتھ انجام دیں۔ وہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک اقوام عالم پر خدا کی حجت پوری نہ ہو جائے۔

اگر مسلمانوں نے اپنی اس کوتاہی کی تلافی نہ کی تو وہ قیامت تک مسائل کے بطن (پیٹ) میں پڑے رہیں گے۔ کوئی دوسرا عمل، خواہ وہ بظاہر کتنا ہی اچھا ہو اور کتنی ہی زیادہ بڑی مقدار میں کیا جائے، انھیں اس گرفتاری سے نجات دینے والا نہیں۔ جب گرفتاری کے اس معاملہ کا سبب دعوتی کوتاہی ہے تو دوسرا عمل کیوں کر انھیں اس گرفتاری سے نکالنے والا بن سکتا ہے۔

دوڑنے والوں کو خدا کی طرف دوڑنا چاہئے۔ اگر وہ انسانوں کی طرف دوڑتے رہے تو وہ انسانوں کو بھی کھو دیں گے، اور خدا کو تو وہ پہلے ہی سے کھوئے ہوئے ہیں۔

خدمت کا کرشمہ

نئی دہلی کے انگریزی پندرہ روزہ انڈیا ٹوڈے (۱۵ اگست ۱۹۹۰ء) میں صفحہ ۶۸ پر ایک سبق آموز واقعہ شائع ہوا ہے۔ محمد حنیف سلیمان (۳۵ سال) لکھنؤ کے ایک مسلمان باربر ہیں۔ وہ پچھلے دس سال سے مسٹر ملائم سنگھ یادو کی حجامت بناتے رہے ہیں۔ مسٹر یادو پہلے صرف ایک نیتا تھے اب وہ یوپی کے چیف منسٹر ہیں۔ محمد حنیف سلیمان نے مسٹر یادو سے کہا کہ آپ ایک بڑے عہدے پر پہنچ گئے ہیں۔ مجھے لکھنؤ کے بازار حضرت گنج میں ایک دکان دلا دیجئے۔

مسٹر یادو اس پر راضی ہو گئے۔ مگر وہ اس کے بعد اپنے وعدہ کو بھول گئے۔ محمد حنیف سلیمان چند مہینے تک انتظار کرتے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے چیف منسٹر کی رہائش گاہ پر جانا چھوڑ دیا۔ مسٹر یادو نے دریافت کرایا تو معلوم ہوا کہ محمد حنیف سلیمان ان کی وعدہ خلافی پر ناراض ہیں اور اس بنا پر ان کے یہاں جانا چھوڑ دیا ہے۔ مسٹر یادو کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ سلیمان کے لیے حضرت گنج میں ایک دکان تلاش کرو۔ افسروں نے حضرت گنج میں دوڑ دھوپ کی تو معلوم ہوا کہ اس علاقہ میں کوئی بھی دکان خالی نہیں ہے۔

حضرت گنج میں لکھنؤ ڈولپمنٹ اتھارٹی کے پاور ڈپارٹمنٹ کا ایک سرکاری دفتر موجود تھا۔ مسٹر یادو کے حکم پر یہ دفتر خالی کر کے سلیمان کو دے دیا گیا تاکہ وہ وہاں اپنی دکان کھول سکیں۔ رپورٹر کے مطابق اس وقت ۱۲۵۰ لوگ حضرت گنج میں دکان حاصل کرنے کے منتظر ہیں۔ سلیمان نے ان سب پر چھلانگ لگا کر ایک دن میں لکھنؤ کی اہم ترین مارکیٹ میں ایک ایسی دکان حاصل کر لی جس کی قیمت اس وقت پانچ لاکھ روپیہ ہے۔ اب محمد حنیف سلیمان نے اس دکان میں اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ اس دکان کے اوپر اس نام کا بورڈ لگا ہوا ہے: بمبئی ہیر ڈریسرز (Bombay Hair Dressers) رپورٹر کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے سلیمان نے جو کچھ کہا اس کو رپورٹر نے اپنی زبان میں اس طرح نقل کیا ہے کہ میں اپنی سیوا کی وجہ سے اس کا حقدار تھا:

I deserved this much for all my seva.

پیشگی جانچ

قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کے ذیل میں بتایا گیا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ جب اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچے تو ابراہیم نے اسماعیل سے کہا کہ اے میرے بیٹے، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ پس تم سوچ لو کہ تمہاری رائے کیا ہے۔ اسماعیل نے کہا کہ اے میرے باپ، آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اس کو کر ڈالئے، انشاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں پائیں گے (الصافات ۱۰۲)

اس آیت میں "صبر" کا لفظ کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنے بیٹے اسماعیل کو لٹایا اور اپنے خواب کے مطابق، ان کی گردن پر چھری چلائی تو اس فعل سے اللہ کا مقصود اسماعیل کو ذبح کرنا نہ تھا بلکہ ان کے صبر کا امتحان لینا تھا۔ کیونکہ خدائی منصوبہ کے مطابق، ان کو عرب کے بے آب و گیاہ صحرا میں آباد ہونا تھا۔ وہاں مستقل مزاجی کے ساتھ آباد ہونے کے لیے صبر کی غیر معمولی صفت درکار تھی، حضرت اسماعیلؑ نے پیشگی آزمائش کے مطابق یہ ثابت کر دیا کہ یہ ضروری صفت ان کے اندر مکمل طور پر موجود ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ انھیں صحرائے عرب میں چھوڑ کر چلے گئے۔

اس واقعہ سے پیغمبرانہ طریق کار کا ایک اہم نکتہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب کسی شخص یا کسی گروہ کو کسی بڑی مہم میں لگانا ہو تو سب سے پہلے مناسب امتحان کے ذریعہ یہ معلوم کیا جائے کہ آیا اس شخص یا اس گروہ میں وہ مطلوبہ صفت اطمینان بخش مقدار میں موجود ہے یا نہیں جو مہم میں کامیابی کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنے کے لیے ضروری ہوگی۔

بنی اسرائیل کے رہنما نے یہی اصول اپنی قوم کے ساتھ اختیار کیا تھا جب انھوں نے دریا پار کرتے ہوئے اپنی فوج کو حکم دیا کہ کوئی شخص اس سے پانی نہ پیئے (البقرہ ۲۴۹)

موجودہ زمانہ کے مسلم رہنماؤں کا ہر اقدام ناکامی سے دوچار ہوا ہے۔ اور اس کی کم از کم ایک وجہ یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی اہلیت کے بارہ میں کبھی کوئی جانچ نہیں کی۔ انھوں نے پر جوش تقریروں کے ذریعہ قوم کو اکسایا اور اس کے بعد اس کو صحراؤں اور سمندروں میں دوڑا دیا۔

جذبۂ عبودیت

۲ اگست ۱۹۹۰ کو عراق کے حکمراں صدام حسین نے اپنی ایک لاکھ فوج کویت میں داخل کر دی۔ انھوں نے کویت پر قبضہ کر کے اعلان کر دیا کہ کویت آج سے عراق کا حصہ ہے۔ اس کے بعد امریکہ نے دوسری مغربی طاقتوں کو ساتھ لے کر وہ فوجی کارروائی کی جس کو صحرائی ڈھال (Operation Desert Shield) کہا جاتا ہے۔ بہت بڑی طاقت نے عراق اور کویت کو گھیر لیا اور اس کی مکمل ناکہ بندی کر دی۔ امریکہ کا مطالبہ تھا کہ عراق غیر مشروط طور پر کویت کو خالی کرے اور عراق کے حکمراں صدام حسین کا کہنا تھا کہ اب وہ پیچھے جانے والے نہیں۔

اب یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کسی بھی وقت ہولناک جنگ چھڑ سکتی ہے، عراق اور کویت میں جو بیرونی لوگ کمائی کے لیے گئے تھے، وہ اپنا سب کچھ وہاں چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ ہندستان کے ۱۷۲۰۰۰ آدمی کویت میں تھے اور ۹۰۰۰ آدمی عراق میں کام کر رہے تھے۔ ہندستان کے وزیر خارجہ اندر کمار گجرال نے عراق اور کویت کا دورہ کیا تاکہ ہندستانیوں کو وہاں سے واپس لانے کا بندوبست کر سکیں۔

۲۲ اگست ۱۹۹۰ کو مسٹر گجرال کا ہوائی جہاز دہلی واپس آیا تو کویت کے ۲۰۰ عورتیں اور بچے اور مرد بھی ان کے ساتھ تھے۔ ٹائمس آف انڈیا (۲۳ اگست ۱۹۹۰) میں ان کی واپسی کی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ اس کا ایک جزء یہ تھا کہ جہاز جب دہلی ایئر پورٹ پر اترا تو واپس آنے والے ہندستانیوں نے بھارت ماتا کی جے کے نعرے لگائے۔ ان میں سے کچھ نے زمین پر گر کر اسے چوما:

As the plane touched down at the airport, the evacuees raised slogans of "Bharat mata ki Jai". Some of them kissed the soil (p.14).

بھارت کی زمین کو چومنا گویا اپنے اس احساس کا اظہار تھا کہ میں اپنے پناہ دہندہ کی پناہ میں آگیا۔ یہی کسی ہستی کو معبود بنانا ہے۔ یہ معبود صرف خدا ہے۔ کیونکہ وہی دینے والا بھی ہے اور وہی چھیننے والا بھی۔ مگر انسان نہ دکھائی دینے والے خدا پر یقین نہیں کر پاتا۔ اس لیے وہ دکھائی دینے والی چیزوں کو اپنا خدا فرض کر لیتا ہے۔ عبودیت کا جذبہ فطری طور پر انسان کے اندر موجود ہے۔ مگر اپنی بے شعوری کی بنا پر وہ ایسا کرتا ہے کہ خدا کو چھوڑ کر وہ غیر خدا کو اپنے جذبۂ عبودیت کا مرکز بنا لیتا ہے۔

تعمیر کی طاقت

مئی ۱۹۹۰ء کا واقعہ ہے۔ کراچی کی ایک سڑک پر دونوں طرف سے گولیاں چل رہی ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف لوگ زخمی ہو رہے ہیں۔ لاشیں زمین پر پڑی ہوئی نظر آتی ہیں، کلاشنکوف (kalashnikov) کے ذریعہ مہاجروں اور سندھیوں میں فائرنگ کے تبادلے ہو رہے ہیں۔ پولس کے افراد بھی خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے ہیں۔

اتنے میں سائرن کی آواز آتی ہے۔ جلد ہی ایک ایمبولنس گاڑی سڑک پر دوڑتی ہوئی نظر آنے لگتی ہے۔ جیسے ہی ایمبولنس سامنے آتی ہے، دونوں طرف کے لوگ اپنی اپنی فائرنگ روک دیتے ہیں۔ ایمبولنس کھڑی ہوتی ہے، اس کے آدمی مردہ لاشوں کو اور زخمیوں کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں رکھتے ہیں۔ اس پوری کارروائی کے دوران لڑائی بند رہتی ہے۔ جب ایمبولنس چلی جاتی ہے تو دوبارہ وہی لوگ اس طرح لڑنا شروع کر دیتے ہیں جیسے کہ وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوں۔

یہ کراچی کے عبد الستار ایدھی (۶۱ سال) ہیں۔ انھوں نے اپنی ۳۰ سال کی بے غرضانہ خدمت سے لوگوں کے اندر اتنا احترام پیدا کیا ہے کہ جہاں وہ پہنچ جائیں، وہاں لوگوں کے سر ان کے آگے جھکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، خواہ وہ فسادی اور دہشت گرد کیوں نہ ہوں۔

عبد الستار ایدھی کی تعلیم صرف چھٹے درجہ تک ہو سکی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں وہ جوناگڑھ سے نقل وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ وہاں وہ حصول معاش کے لیے معمولی کام کرتے رہے۔ پھر انھوں نے دیکھا کہ پاکستان میں ایمبولنس سروس بہت کمزور ہے۔ ان کے اندر خدمت خلق کا جذبہ پیدا ہوا۔ انھوں نے قرض اور چندہ کی مدد سے ایک پرانا ٹرک خریدا اور اس کے اوپر پردہ لگا کر اس کو ایمبولنس گاڑی کے طور پر استعمال کرنے لگے۔

زخمیوں اور مریضوں کو اسپتال لے جانا، لاوارث لاش کو قبرستان پہنچانا، اس قسم کے رفاہی کاموں میں وہ سرگرم ہو گئے۔ ان کے خلوص اور محنت کو دیکھ کر لوگوں نے تعاون کرنا شروع کیا۔ انھوں نے مزید ایمبولنس گاڑیاں خریدیں۔ یہاں تک کہ اب ان کے پاس ۲۵۰

گاڑیوں کا دستہ ہے جو سب کی سب سائرن، وائرلیس، گیس سلنڈر وغیرہ سے لیس ہیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے دو ہیلی کاپٹر خریدے ہیں تاکہ دور تک کے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرسکیں۔

اسی کے ساتھ انھوں نے اسپتال، زچہ گھر، یتیم خانے اور مختلف قسم کے رفاہی مراکز قائم کر رکھے ہیں، اب انھوں نے گیارہ ایکڑ کی ایک زمین حاصل کی ہے۔ یہاں وہ اپنے تمام شعبے قائم کریں گے۔ اسی کے ساتھ اس کے اندر ہیلی کاپٹر کو ٹھہرانے اور اتارنے کا میدان بھی بنایا جائے گا۔

۳۰ سال پہلے عبدالستار ایدھی کی مفلسی کا یہ عالم تھا کہ ان کی ماں بیمار ہوئی تو نہ ان کے پاس دوا لانے کے پیسے تھے اور نہ ماں کو اسپتال لے جانے کا سادھن۔ ان کی ماں نہایت تکلیف کی حالت میں مرگئی۔ مگر ماں کی موت نے ان کو ایک نئی زندگی دے دی۔ اس سے ان کو سخت جھٹکا لگا۔ انھوں نے سوچا کہ اسی طرح کتنے غریب ہوں گے جو تکلیف میں تڑپتے ہوں گے، مگر کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔

انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ضرورت مندوں کی مدد کے لیے خدمت خلق کا ایک ادارہ قائم کریں گے۔ ۳۰ سال پہلے یہ ادارہ انھوں نے نہایت معمولی حالت سے شروع کیا تھا۔ آج وہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ اس کا سالانہ بجٹ بارہ کرور روپیہ ہے۔ جس شخص کا حال یہ تھا کہ مرض الموت میں مبتلا اپنی ماں کی دوا خریدنے کے لیے اس کے پاس پیسے نہ تھے، وہ آج اپنے مرکز میں ۵۰۰، ۷ آدمیوں کے لیے کھانا اور کپڑا فراہم کر رہا ہے۔

عبدالستار ایدھی کو عالمی انعام (Magsayay Award) دیا گیا ہے۔ امریکہ کے کثیر الاشاعت ماہنامہ ریڈرس ڈائجسٹ (جون ۱۹۸۹ء) نے ان کے بارہ میں ایک تعریفی مضمون شائع کیا تھا جس کا خلاصہ الرسالہ (فروری ۱۹۹۰ء) میں آچکا ہے۔ نئی دہلی کے انڈیا ٹوڈے (۳۰ جون ۱۹۹۰ء) نے سات صفحہ کی ایک باتصویر رپورٹ شائع کی ہے۔ ان کا عنوان یہ ہے ـــــــ پاکستان کا فادر ٹریسا:

Pakistan's Father Teresa.

تعمیری کام اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے۔ اگر آپ واقعی معنوں میں کسی تعمیری کام کا نمونہ پیش کردیں تو تمام لوگ آپ کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، حتی کہ آپ کے کٹر مخالفین بھی۔

عبدالستار ایدھی کے لیے ایک نمونہ وہ تھا جو سطحی لیڈروں نے ہندستان اور پاکستان دونوں جگہ پیش کیا ہے۔ یعنی "نظام" کے خلاف نعرہ اور جھنڈا کی سیاست لے کر کھڑا ہو جانا۔ وہ تیسرے درجہ کا ایک اخبار نکالتے اور موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ عوام کی مصیبت کی داستانیں چھاپنا شروع کردیتے۔ وہ حکومتی اداروں سے مطالبات کی مہم چلاتے۔ وہ غصہ میں بھرے ہوئے نوجوانوں کی ایک بھیڑ جمع کرتے جو احتجاج کے نام پر بسیں جلاتا اور ہسپتالوں میں آگ لگاتا۔

اسی طرح عبدالستار ایدھی کے لیے ایک نمونہ وہ تھا جو نام نہاد اسلام پسندوں نے پیش کیا ہے۔ وہ "اسلامی نظام قائم کرو" کے نعرہ کے ساتھ سڑکوں پر نکل پڑتے۔ وہ عوام اور حکومت کے درمیان وہی نفرت اور کشاکش کا ماحول بناتے جو موجودہ اسلام پسندوں نے مجرمانہ طور پر ہر جگہ بنا رکھا ہے۔

عبدالستار ایدھی اگر اس قسم کے طریقے اختیار کرتے تو وہ اپنے ملک کے مسائل کو حل کرنے کے نام پر صرف اس کے مسائل میں اضافہ کرتے۔ اس کے برعکس انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود اس مسئلہ کو حل کرنے کی ذمہ داری سنبھالیں گے۔ ان کا کام خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو، مگر وہ خود اپنے آپ سے عمل کا آغاز کریں گے۔

عبدالستار ایدھی کے اس فیصلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۴۰ برس بعد انھوں نے پاکستان میں ایک ایسی تعمیری تاریخ بنائی جس کا ہندستان سے لے کر امریکہ تک اعتراف کیا جارہا ہے۔ جب کہ اسی مدت میں اسی ملک کے دوسرے رہنما بربادی اور تخریب کے سوا کوئی اور تاریخ نہ بنا سکے۔

اسلام کا سیلاب

امریکہ میں ایک ٹی وی تنظیم ہے جس کا نام اے بی سی ہے۔ وہ ہر روز شام کو " ورلڈ نیوز ٹونائٹ " کے عنوان کے تحت اس دن کی اہم عالمی خبریں نشر کرتی ہے۔ ۱۶ فروری ۱۹۸۹ کو اس نے ٹیلی وژن دیکھنے والوں کو جو خبریں بتائیں، ان میں سے ایک اہم خبر یہ تھی کہ ریسرچ کرنے والوں کی ایک ٹیم نے رپورٹ دی ہے کہ اسلام دنیا کا سب سے زیادہ تیز رفتار مذہب ہے۔ ان کے جائزہ کے مطابق ۲۰۲۵ تک دنیا کی آبادی میں ہر چار آدمی میں سے ایک آدمی مسلمان ہوگا۔ پچھلے سال عیسائی تنظیموں کی دو رپورٹوں میں بھی یہی بات کہی گئی تھی کہ اسلام کرۂ ارض پر سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ پھیلنے والا مذہب ہے۔

امریکہ (پلین فیلڈ) سے ایک انگریزی ماہنامہ شائع ہوتا ہے جس کا نام اسلامک ہورائزن (Islamic Horizons) ہے۔ اس نے اپنے شمارہ مارچ ۔ اپریل ۱۹۸۹ میں اس رپورٹ کا خلاصہ شائع کیا ہے۔ وہ اس کے الفاظ میں یہ ہے:

ABC's "World News Tonight" reported in its February 16, 1989 newscast that a new reliable study showed that Islam is the fastest growing religion in the world. According to researchers, one out of every four people in the world will be Muslim by the year 2025, about one generation from now. At least two reports from Christian organisations last year marked Islam as not only the fastest blooming religion on the planet but in the United States, as well (p.21).

نیویارک میں دسمبر ۱۹۸۸ میں "مسلم ورلڈ ڈے" کے نام سے ایک اجتماع ہوا۔ اس اجتماع کی کارروائیاں نیویارک کے پنٹا ہوٹل (Penta Hotel) میں انجام پائیں۔ اس موقع پر امریکہ کی کئی مشہور شخصیتیں بھی شریک ہوئیں۔ ان میں سے ایک امریکہ کے ممتاز بیرسٹر ولیم کنسٹلر (William Kunstler) بھی تھے۔

ولیم کنسٹلر کی تقریر نیویارک کے انگریزی ہفت روزہ دی مینارٹ (The Minaret) میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں موصوف نے اسلام کی غیر معمولی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ کچھ دنوں بعد اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہوگا۔ کل وہ دنیا کی آبادی کا چالیس فی صد حصہ ہو جائے گا اور اگلے پچاس برسوں میں وہ دنیا کی آبادی کا ساٹھ فی صد حصہ ہوگا:

Someday it will be the major religion of the world. Two-fifth tomorrow and three-fifth in the next 50 years.

۱۰ ستمبر ۱۹۸۹ کو ڈاکٹر محمد طاہر صاحب (حیدر آباد) سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے لائبریری سائنس میں ماسٹر ڈگری لی ہے۔ اور انگریزی زبان میں چھپنے والی کتابوں اور مقالات پر ریسرچ کیا ہے۔ ان کے ریسرچ کا عنوان تھا:

English language material on Islamic studies.

انھوں نے ۱۹۱۰ سے لے کر اب تک انگریزی کی اسلامی مطبوعات کا جائزہ لیا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ۸۰ ہزار چھپی ہوئی چیزوں (references) کے اعداد و شمار جمع کئے۔ انھوں نے پایا کہ اسلام پر انگریزی کتابیں اور مقالے موجودہ زمانہ میں اتنے زیادہ چھپے ہیں کہ ان کو ایک عظیم انفجار (tremendous explosion) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اس زمانہ میں انگریزی اسلامی کتابوں کے اضافہ کی شرح یہ رہی ہے:

۱۹۱۰ ـــــ ۱۹۵۰   ۱۹۵۱ ـــــ ۱۹۸۰

۲۵ فی صد   ۷۵ فی صد

گویا بیسویں صدی کے نصف اول میں اضافہ ۲۵ فی صد تھا، جب کہ اس صدی کے نصف ثانی میں یہ اضافہ ۷۵ فیصد تک پہنچ گیا۔ یہ واقعہ بے حد سبق آموز ہے۔

اسلام کی اس تیز رفتار ترقی کا راز کیا ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ اسلام خدا کا آخری دین ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح کامل اور مستحکم کر دیا ہے کہ کوئی اس کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے۔ وہ بڑھتا ہی رہے، یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جس کی پیشین گوئی حدیث میں ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ زمین کی سطح پر کوئی پکا یا کچا گھر نہیں بچے گا جس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ ہو گیا ہو (لا یبقی علی ظھر الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام)

انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول میں مسلمانوں کے تمام معروف لیڈر انگریزوں اور فرانسیسیوں سے لفظی یا عملی لڑائی لڑنے میں مشغول تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس مغربی استعمار کو اگر ختم نہ کیا گیا تو وہ اسلام کو مٹا ڈالے گا۔ اس لئے سب سے پہلا کام اس سے لڑ کر مسلم دنیا پر اس

کے غلبہ کو ختم کرنا ہے۔ مسلم رہنماؤں کی لڑائی کا تو یک طرفہ جانی و مالی نقصان کے سوا کوئی اور نتیجہ نہیں نکلا۔ البتہ دوسری عالمی جنگ نے ان مغربی قوموں کو اتنا کمزور کر دیا کہ وہ ایشیا اور افریقہ سے اپنی فوجوں کو واپس بلالیں۔

اب مسلم ممالک مغرب کے سیاسی غلبہ سے آزاد ہو گئے۔ اس کے بعد ان ملکوں میں مقامی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ان حکومتوں کے تمام ذمہ دارانہ مناصب پر وہ مسلمان قابض تھے جنھوں نے مغربی ملکوں میں تعلیم پائی تھی اور مغربی کلچر کو اپنا رکھا تھا۔ اب دوبارہ مسلم رہنما خود اپنے حکمرانوں سے لڑ گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ "مغرب زدہ" مسلمان ہمارے لئے سابق مغربی حکمراں سے بھی زیادہ برے ہیں۔ ضروری ہے کہ سب سے پہلے ان کو اقتدار کی کرسیوں سے ہٹایا جائے۔ ورنہ یہ لوگ اسلام کا خاتمہ کر دیں گے اور آئندہ اسلام کے لئے کام کرنے کے مواقع باقی نہیں رہیں گے۔ یہ ناکام جنگ تادم تحریر کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔ مگر کسی بھی ملک میں وہ تبدیلی اقتدار کے مرحلہ تک نہیں پہنچی۔

اسلامی رہنماؤں کی اس سیاسی ناکامی کے باوجود اسلام کا نظریاتی قافلہ مسلسل آگے بڑھ رہا ہے بلکہ وہ ہمیشہ سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے۔

واقعات بتاتے ہیں کہ بیسویں صدی کے نصف ثانی میں ہمیشہ سے زیادہ اسلامی لٹریچر شائع ہوا ہے۔ ہمیشہ سے زیادہ اسلامی ادارے ساری دنیا میں قائم ہوئے ہیں۔ ہمیشہ سے زیادہ تعداد میں لوگ اسلام قبول کرکے اسلام کے حلقہ میں شامل ہو رہے ہیں۔ وغیرہ

اس قسم کے بے شمار واقعات بتاتے ہیں کہ سیاسی حالات خواہ کچھ ہوں، اسلام کا سفر مسلسل جاری رہتا ہے۔ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی طاقت دے دی ہے جو کسی بھی خارجی سبب سے ختم ہونے والی نہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خارجی حالات کی مساعدت یا نامساعدت سے بے پروا ہو کر اسلامی دعوت کے میدان میں سرگرم رہیں، وہ سیاسی دفاع کے بجائے ہمیشہ نظریاتی اقدام کے میدان میں اپنا جہاد جاری رکھیں۔

میسور کے سلطان ٹیپو انگریزوں سے لڑتے ہوئے ۱۷۹۹ء میں شہید ہو گئے۔ اقبال کے نزدیک یہ اتنا بڑا سانحہ تھا کہ انھوں نے لکھا کہ ٹیپو ہماری ترکش کا آخری تیر تھا جواب ہمارے پاس نہیں رہا:

ترکش مارا خدنگ آخریں

بیسویں صدی کے آغاز میں ترکی کی عثمانی خلافت ٹوٹنے لگی تو تمام مسلمان گھبرا اٹھے۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی شبلی نعمانی کے اس شعر میں ملتی ہے:

زوال دولتِ عثماں زوال شرع وملت ہے　　　عزیزو فکر فرزند وعیال وخانماں کب تک

مگر یہ مسلمانوں کے لکھنے اور بولنے والوں کی کوتاہی تھی۔ انھوں نے اپنی کوتاہ فکری کی بنا پر اسلام کی طاقت کا کمتر اندازہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو کسی سلطان یا کسی سلطنت کی ضرورت نہیں۔ وہ خود اپنی طاقت سے زندہ رہتا ہے اور ترقی کرتا ہے۔ کسی کی موت یا کسی حکومت کا زوال اس کا راستہ روکنے والا نہیں۔

غلط فہمی

گرم علاقوں میں ایک خاص قسم کا پتنگا پایا جاتا ہے۔ اس کو عام طور پر عبادت گزار مینٹس (praying mantis) کہا جاتا ہے۔ زیادہ صحیح طور پر اس کا نام شکاری مینٹس (preying mantis) ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ کیڑوں مکوڑوں کا شکار کر کے ان سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔

مینٹس کی دنیا بھر میں ایک ہزار قسمیں دریافت کی گئی ہیں۔ وہ ایک انچ سے سات انچ تک لمبا ہوتا ہے۔ اپنے ماحول کے اعتبار سے اس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً بھورا، لال اور ہرا۔

ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے گھر کے پاس کھلی زمین میں اپنا کچن گارڈن (kitchen garden) بنایا۔ چھوٹی چھوٹی کیاریوں میں دھنیا، مرچا، بیگن، ٹماٹر وغیرہ کی کاشت کی۔ جب پودے بڑھے اور خوب سرسبز ہو گئے تو ایک روز اس نے دیکھا کہ اس کی کیاری کے اندر بڑے بڑے دو ہرے رنگ کے کیڑے موجود ہیں۔ اس کو اندیشہ ہوا کہ یہ میری سبزیوں کو کھائیں گے اور ان کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس نے فوراً ان دونوں کیڑوں کو پکڑا اور انھیں مار ڈالا۔

شام کو اس کا ایک دوست اس سے ملنے کے لئے آیا۔ وہ مقامی کالج میں علم نباتات (botany) کا استاد تھا۔ اس نے اپنے دوست سے فاتحانہ انداز میں کہا کہ آج میرے کچن گارڈن میں دو بڑے کیڑے آگئے۔ وہ میری سبزیوں کو کھانا چاہتے تھے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ میری سبزیوں کو نقصان پہنچائیں، میں نے انھیں مار کر ختم کر دیا۔



اس واقعہ کو اس نے کچھ ایسے انداز سے بیان کیا کہ دوست کو خیال آیا کہ وہ نئے کیڑے کون سے تھے۔ اس نے پوچھا کہ وہ مرے ہوئے کیڑے کیا اب بھی موجود ہیں کہ میں انھیں دیکھوں۔ اس کے بعد آدمی نے اپنے دوست کو دونوں کیڑے دکھائے۔ دوست نے کہا کہ تم نے تو بڑی نادانی کی۔ تم جانتے نہیں، یہ تو مینٹس ہے، اور مینٹس سبزی خور کیڑا (herbivorous) نہیں، وہ تو مسلمہ طور پر ایک گوشت خور کیڑا (carnivorous) ہے۔ وہ یہاں قدرت کی طرف سے تمہاری مدد کے لئے آیا تھا۔ اس کی فطرت کے خلاف تھا کہ وہ کسی سبزی کو کھائے۔ وہ تمہاری سبزیوں کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچاتا۔ وہ صرف ان کیڑوں کو کھاتا جو سبزیوں کو نقصان پہنچاتے ہیں، اور جن کو ختم کرنا تمہارے لئے سخت مشکل ہے۔ تم بھی کیسے نادان نکلے کہ تم اپنے فائدہ اور نقصان کو نہ سمجھ سکے۔ تم نے اپنے ایک قیمتی چوکیدار کو مار ڈالا۔

دوست کی زبان سے یہ الفاظ سنتے ہی آدمی کی زبان بند ہو گئی۔ اس کو اپنے کئے پر بے حد افسوس ہوا۔ یہاں تک کہ وہ بیمار پڑ گیا اور کئی دن تک کام کرنے کے قابل نہ رہا۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غلط فہمی کسی آدمی کو کتنی بڑی بڑی کوتاہیوں میں مبتلا کر سکتی ہے۔ حتی کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص شدید غلط فہمی میں پڑ کر دوسرے شخص کی جان مار ڈالے، حالاں کہ یہ دوسرا شخص بالکل بے قصور ہو۔ وہ ایک آدمی کو بے عزت کرنے پر تل جائے، حالاں کہ اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے وہ ایسا آدمی ہو کہ اس کے ساتھ نہایت عزت و احترام کا سلوک کیا جائے۔

اسی لئے شریعت میں یہ حکم ہے کہ رائے قائم کرنے یا کسی کے خلاف اقدام کرنے سے پہلے اس کے معاملہ کی پوری تحقیق کرو۔ ایسا ہرگز مت کرو کہ کسی کے خلاف ایک خبر سنو اور فوراً اس کو مان لو، اور اس کے خلاف ایک برا اقدام کر بیٹھو۔ عین ممکن ہے کہ تحقیق کے بعد تم کو معلوم ہو کہ جو خبر تم کو پہنچی تھی، وہ خبر سراسر غلط اور بے بنیاد تھی:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس ایک خبر لائے تو تم اس خبر کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانی سے کوئی نقصان پہنچا دو، پھر تم کو اپنے کئے پر پچھتانا پڑے (الحجرات ۶)

غلط خبر کو سن کر اس کے انجام سے بچنے کی تدبیر نہایت آسان ہے ــــــ وہ یہ کہ کسی بات کو سننے کے بعد اس وقت تک اسے نہ مانا جائے جب تک براہ راست ذرائع سے اس کی تحقیق نہ کر لی جائے۔

نے خطبہ شروع کیا۔

خطبہ حسب معمول مقفیٰ انداز میں تھا۔ اس کا قافیہ " نا " تھا۔ امام نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالا اور اس کو پڑھنا شروع کیا۔ اس میں قافیہ کے مطابق اس طرح کے الفاظ تھے۔ مثلاً سراً وعلنا ، مابعُدَ وما دنیٰ ۔ وغیرہ۔

نماز کے بعد باہر نکلے تو مانگنے والوں کی قطار تھی ۔ بھیک مانگنے کا رواج ہندستان ہی کی طرح سینیگال میں بھی پایا جاتا ہے۔ تاہم ہندستان کے مقابلہ میں غالباً کم ہے۔

۱۲ مئی کی صبح مجھے دکار سے واپس روانہ ہونا تھا۔ ہوٹل میں اپنے کمرہ کی کھڑکی کھول کر باہر کی طرف دیکھا تو سمندر اور آسمان اور اڑتی ہوئی چڑیوں اور سورج کی ہلکی روشنی کے مناظر تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے سمندر اپنی مسلسل اٹھتی ہوئی موجوں کے ساتھ اذا ذکر الله وجلت قلوبھم کی کیفیت کو ممثّل کر رہا ہے۔ چڑیاں حمد خداوندی کے نغمے بکھیرتی ہوئی فضا میں اڑ رہی ہیں۔ سورج اپنا آفاقی ٹارچ جلا رہا ہے تاکہ خدا کی نشانیوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آئے ۔ ٹھنڈی ہواؤں میں ہلتے ہوئے درخت زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ اگر خدا کے کرشموں (آلاء) کو دیکھ کر تمہارے اندر تموج (thrill) پیدا نہیں ہوتا تو تم نے اس دنیا میں نہ کچھ دیکھا اور نہ اس دنیا میں کچھ پایا۔

اس دنیا کی ہر چیز حمد خداوندی کی تسبیح میں مشغول ہے۔ مسبحین کے اس عظیم اجتماع میں صرف ایک انسان ہے جو رب العالمین کا تسبیح خواں نہ بن سکا۔ جو پتھر کی طرح سخت دل ثابت ہوا ، بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت۔

ہوٹل کے اس کمرہ میں میں ایک ہفتہ سے زیادہ مقیم رہا۔ آج جب اس کو چھوڑ کر باہر نکلا تو خیال آیا کہ اسی طرح مجھے ایک روز موجودہ دنیا کو چھوڑنا ہوگا۔ آج میں منتظمین کانفرنس کی مقرر کی ہوئی تاریخ کے تحت ہوٹل کا کمرہ چھوڑ رہا ہوں ، کل خدا کی مقرر کی ہوئی تاریخ کی بنا پر مجھے دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف جانا ہوگا۔ کیسا عجیب ہے وہ وقت جو آچکا ، اور کیسا عجیب ہوگا وہ وقت جو آنے والا ہے۔

دکار سے جنیوا جاتے ہوئے راستہ میں لندن کا انگریزی اخبار ٹیلی گراف

(The Daily Telegraph) ۱۱ مئی ۱۹۹۰ پڑھا۔ اس کے صفحہ اول پر ایک رپورٹ درج تھی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ برطانیہ کے متمدن شہر ۴۸ قسم کی آوازوں کے مسئلہ سے دوچار ہیں۔ مثلاً سوتے وقت لوگوں کا خراٹے لینا۔ وغیرہ۔ رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ مشہور گن فائٹر جان وسلی (John Wesley) ایک بار ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ملے ہوئے کمرہ سے خراٹے کی آواز آنے لگی۔ اس سے وہ اتنا بدحواس (upset) ہوا کہ وہ دیوار توڑ کر دوسرے کمرہ میں داخل ہوا اور اس آدمی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

ہیلتھ سروسز اسٹاف کے ایک ذمہ دار پیٹر پیلٹ (Peter pallot) نے لکھا ہے کہ ہماری آبادیوں میں روزانہ برپا ہونے والے ۴۸ قسم کے شور جو لوگوں کو پاگل بنا رہے ہیں، ان میں سب سے زیادہ برا شور کتوں کا بھونکنا ہے:

The sound of dogs barking is the worst of 48 everyday noises that drive people mad.

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہذب ممالک اپنی ظاہری رونقوں کے باوجود کس قسم کے مسائل سے دوچار ہیں۔ تاہم مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ اس قسم کی باتوں کو لے کر یہ کہا جائے کہ اس کا حل اسلامی نظام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں ہمیشہ ایک یا دوسری قسم کے مسائل باقی رہیں گے۔ خواہ یہاں اسلامی نظام ہو یا غیر اسلامی نظام۔ مسائل اور مصائب سے خالی دنیا صرف آخرت میں ممکن ہے۔ اور ہم کو اسی کی طرف دعوت دینا چاہئے۔

اسلامی قانون کا نفاذ حقیقۃً کسی معاشرہ کی اجتماعی اطاعت ہے، جس طرح عبادت ایک فرد کی انفرادی اطاعت ہوتی ہے۔ اسلامی قانون کے نفاذ کو مسائل سے آزاد دنیا کی تعمیر کا نام دینا صرف سطحیت ہے۔ مزید یہ کہ اس میں یہ اندیشہ ہے کہ کسی ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کے باوجود جب مسائل کا خاتمہ نہ ہو تو لوگ خود اسلام سے مایوس ہو جائیں یا اس کے بارہ میں بری رائے قائم کرنے لگیں۔ مسائل کے حل کی بات جزئی طور پر صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر وہ کلی طور پر درست نہیں۔

دکار سے جنیوا جاتے ہوئے جہاز میں میرے قریب ایک صاحب تھے۔ تعارف کے بعد

معلوم ہوا کہ وہ امریکی ہیں۔ ان کا نام کانریڈ (Conrad) تھا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ کمیونی کیشن انجنیئر ہیں اور واشنگٹن میں رہتے ہیں۔

کھانے کے وقت انھوں نے "ریڈ وائن" کا آرڈر دیا۔ یہاں سے گفتگو شروع ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ آپ شراب کیوں پیتے ہیں۔ تفریح کے لئے یا غذا کے لئے۔ انھوں نے کہا کہ دونوں کے لئے۔ میں نے کہا کہ کچھ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ شراب صحت کے لئے مضر ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہر چیز کی زیادتی (excess) مضر ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ شراب ایک عادت ہے، اور جب کسی چیز کی عادت پڑ جائے تو آدمی ایسا نہیں کر پاتا کہ وہ ایک حد سے زیادہ اس کو استعمال نہ کر سکے۔

اس کے بعد میں نے پوچھا کہ آپ خدا اور مذاہب میں یقین رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا نہیں۔ وجہ پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ مذہب لوگوں کو آپس میں لڑاتا ہے۔ میں نے کہا کہ لڑائی کا تعلق مذہب سے نہیں۔ انھوں نے کہا:

Why people kill each other in the name of God.

میں نے کہا کہ مذہبی لوگ نہیں لڑتے بلکہ سیاسی لوگ مذہب کے نام پر لڑائی کرتے ہیں۔ وہ مذہبی لوگوں کی برائیاں بتاتے رہے۔ میں نے کہا کہ مذہبی لوگ اگر غلط کریں تو اس سے خدا کا عقیدہ غلط ثابت نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ آپ ایک انجنیئر ہیں۔ یہ بتائیے کہ اگر کچھ لوگ ایٹمی توانائی کا غلط استعمال کریں تو کیا آپ ایٹمی توانائی کے وجود کا انکار کر دیں گے۔ اس کے بعد ان کا لہجہ دھیما پڑ گیا۔ انھوں نے کہا کہ میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔ مگر میں خدا کے وجود کو نہیں مانتا۔

ڈیلی ٹیلی گراف میں ایک ہوائی حادثہ (air crash) کی رپورٹ درج تھی۔ پچھلے دن ایک ہوائی جہاز (Midland 737) انگلینڈ میں گر کر تباہ ہو گیا۔ ۴۷ آدمی مر گئے۔ چند آدمی جو بچ گئے تھے، انھوں نے آخر وقت کی آنکھوں دیکھی کہانی بتائی۔ ایک بچے ہوئے مسافر نے کہا کہ آخر وقت میں جب کہ جہاز میں بیٹھے ہوئے تمام مسافر زندگی سے ناامید ہو چکے تھے، اس نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یسوع مسیح، اب ہم مرنے والے ہیں:

Jesus, we are going to die

ایک مسافر جو بچ گیا تھا، اس نے اخباری نمائندہ سے بات کرتے ہوئے کہا کہ میرا بھروسہ جہاز کے عملہ کے اوپر تھا :

My faith was in the crew.

ایک جہاز کے دو آدمی ایک طرح کے حالات میں پہنچ کر بالکل دو قسم کے تاثر کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک اپنے خدا کی طرف دیکھتا ہے، دوسرا، جہاز چلانے والے انسانوں کی طرف۔ یہ مشہور حدیث کے مطابق، غالباً تربیت کے فرق کا نتیجہ ہے۔ جس آدمی کی تربیت نے اس کے ذہن میں "مسیح" کی اہمیت بٹھائی تھی، اس کے ذہن نے اس کو مسیح کی یاد دلائی، اور جس آدمی کی تربیت نے اس کے ذہن میں "عملہ" کی اہمیت بٹھا رکھی تھی، اس کے ذہن نے اسے بتایا کہ اس کو اس نازک موقع پر اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ جہاز کا عملہ ہے۔

ظہر اور عصر کی نماز جنیوا ایرپورٹ پر پڑھی۔ اِس وقت میں ایرپورٹ کے گیٹ نمبر ۴۲ پر اگلے جہاز کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہوں۔ میرے سامنے کھلے ہوئے میدان میں مختلف ہوائی کمپنیوں کے جہاز کھڑے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر پر گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی جہاز ایرپورٹ پر اترا، یا کوئی جہاز یہاں سے روانہ ہوا۔

اسی طرح دنیا میں ہر وقت کوئی انسان آرہا ہے، اور کوئی یہاں سے رخصت ہو رہا ہے۔ دنیا آنے اور جانے کی جگہ ہے۔ بسنے اور آباد ہونے کی جگہ صرف وہ ہے جس کو آخرت کہا جاتا ہے۔

جنیوا سے فرینکفرٹ کے لئے سوئس ایر ۴۵ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ راستہ میں سوئس ایر کا میگزین (Swissair Gazette) مئی ۱۹۹۰ کا شمارہ دیکھا۔ اس شمارہ میں مصر اور دریائے نیل کے بارہ میں ایک مفصل مضمون شامل تھا۔ قدیم مصر میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی، ان میں سے کچھ بتوں کی تصویریں اس میں دی گئی تھیں۔ ان تصویروں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ قدیم مصر کے لوگوں نے بت تراشی میں غیر معمولی کمال حاصل کیا تھا۔

ایک بت کی تصویر کے نیچے بامعنی طور پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے —— فرعون کے زمانہ میں وہ پوجے جاتے تھے۔ آج وہ ثقافتی ورثہ کا ایک حصہ ہیں :

In pharaonic times they were worshipped,
today they are part of a cultural patrimony.

ان الفاظ کی پوری معنویت اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتی جب تک اس میں یہ اضافہ نہ کیا جائے کہ قدیم زمانہ میں شرک ساری دنیا میں تہذیبی طاقت بن کر چھایا ہوا تھا۔ توحید کی بنیاد پر ہونے والے اسلامی انقلاب نے اس مشرکانہ غلبہ کو ختم کر دیا۔ اگر یہ مشرکانہ غلبہ ختم نہ کیا جاتا تو دنیا میں کبھی وہ دور نہیں آ سکتا تھا جس کو آج سائنسی ترقی کا دور کہا جاتا ہے (ملاحظہ ہو: اسلام دور جدید کا خالق)

فرینکفرٹ ایرپورٹ پر حفاظتی ہدایت (security advice) کے عنوان کے تحت دیواروں پر لکھا ہوا تھا کہ اپنے سامان کو رکھوالی کے بغیر نہ چھوڑیں:

Do not leave your baggage unattended.

اس کو دیکھ کر خیال آیا کہ یہی معاملہ آدمی کو خود اپنے نفس کے ساتھ کرنا ہے۔ ہر آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کا نگراں بنا رہے۔ ورنہ اس کا نفس اس کو تباہی کے راستہ پر ڈال دے گا اور پھر کوئی چیز اس کو خدا کی پکڑ سے بچانے والی نہ بن سکے گی۔

۱۲ مئی کی شام کو فرینکفرٹ پہنچا۔ یہاں مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے جیسے عاجز انسان کے ساتھ نصرت کا خصوصی معاملہ فرمایا۔

میرا اندازہ تھا کہ فرینکفرٹ میں چند گھنٹہ انتظار کے بعد مجھے اگلی فلائٹ دہلی کے لئے مل جائے گی۔ مگر یہ میرے اندازہ کی غلطی تھی۔ یہاں دراصل مجھے پندرہ گھنٹہ انتظار کرنا تھا۔ میں لفتھانسا کے کاؤنٹر پر گیا کہ آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ کے پاس جرمنی کا ویزا ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ایسی حالت میں آپ جرمنی کے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ کے پاس ویزا ہوتا تو ہم شہر کے کسی ہوٹل میں آپ کے لئے ٹھہرنے کا انتظام کر دیتے۔ میں نے کہا کہ آپ میری مدد کریں کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں۔

کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی خاتون نے ٹیلی فون پر کسی سے بات کی۔ بات کرنے کے بعد کہا کہ آپ یہاں ٹھہریئے۔ ابھی ایک لیڈی آ رہی ہیں وہ آپ کو بتائیں گی۔ چند منٹ کے بعد ایک جرمن خاتون آ گئیں۔ ان کے ایک ہاتھ میں کمل تھا اور دوسرے ہاتھ میں ٹرے جس میں کھانے پینے کا سامان تھا۔ انھوں نے کہا کہ آپ شہر میں تو داخل نہیں ہو سکتے۔ یہاں ایرپورٹ کے لاونج میں ٹھہریئے۔ یہ آپ

کے لئے کھانے کا سامان ہے، اور یہ آپ کے اوڑھنے کے لئے کمل ہے۔

میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ رات گزارنے کے بعد اگلی صبح کو یہ کمل میں کس کو واپس کروں۔ انھوں نے کہا کہ اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ آپ ہی کا ہے۔ یہ پوری گفتگو انگریزی زبان میں ہوئی۔

پھیلے ہوئے لاؤنج میں ہر قسم کی عمدہ کرسیاں سیکڑوں کی تعداد میں تھیں۔ بیٹھنے کے لئے بھی اور سونے کے لئے بھی۔ رات نہایت آرام اور سکون کے ساتھ گزری۔

اس واقعہ کے بعد مجھے ایک صاحب کا قصہ یاد آیا جو انھوں نے مجھے بتایا تھا۔ میں ہندستان کے ایک مشہور اسلامی ادارہ میں تین سال تک رہا ہوں۔ ۱۹۶۶ میں جب کہ میں اپنے وطن گیا ہوا تھا، وہ مجھ سے ملنے کے لئے مذکورہ ادارہ میں آئے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ اس وقت میں یہاں موجود نہیں ہوں تو انھوں نے سوچا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ یہ مغرب بعد کا وقت تھا۔ انھوں نے طے کیا کہ رات وہاں کی مسجد میں گزار لیں اور صبح کو واپس چلے جائیں۔ چنانچہ عشا کی نماز کے بعد وہ مسجد میں ایک طرف لیٹ گئے۔

کچھ دیر کے بعد ادارہ کا چوکیدار آیا۔ اس نے کہا کہ مسجد میں سونا منع ہے، اس لئے آپ یہاں نہیں سو سکتے۔ انھوں نے کہا کہ اچھا، میں بیٹھ کر رات گزار لوں گا۔ چنانچہ وہ دیوار کی ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد چوکیدار دوبارہ آیا۔ اس نے کہا کہ آپ مسجد میں بیٹھ کر بھی نہیں رہ سکتے۔ اس لئے آپ باہر جائیں۔ وہ باہر نکل کر ایک چبوترہ پر لیٹ گئے۔ چوکیدار پھر آیا۔ اس نے کہا کہ اجنبی آدمی کو ادارہ کے اندر ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے آپ یہاں سے چلے جائیں۔

انھوں نے چوکیدار سے کہا کہ تم مجھ کو یہاں کے ذمہ دار کے پاس لے چلو، میں ان سے بات کروں گا۔ اس کے بعد چوکیدار انھیں ایک کمرہ میں لے گیا۔ یہاں ادارہ کے اساتذہ رات کی چائے پی رہے تھے۔ وہ دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ نہ کسی نے ان کو بیٹھنے کے لئے کہا اور نہ چائے کی پیش کش کی۔ دروازہ پر کھڑے کھڑے انھیں حکم دے دیا گیا کہ آپ اس طرح ادارہ کے اندر رات نہیں گزار سکتے۔

موجودہ زمانہ کے مسلم رہنما مغرب کی جو تصویر پیش کرتے ہیں اس کے مطابق، مغرب کی برتری کا راز اس کی "دسیسہ کاری" ہے۔ اس نے سازشی تدبیروں کے ذریعہ دنیا کے اوپر اپنا غلبہ قائم

کر رکھا ہے۔ یہ بلاشبہ ایک لغو بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب اپنی اخلاقی طاقت کے بل پر قائم ہے۔ اس کے برعکس مسلمان اپنے اخلاقی زوال کی بنا پر موجودہ زمانہ میں اپنی جگہ حاصل نہ کرسکے۔ قوموں کے عروج وزوال میں جو چیز فیصلہ کن ہے وہ اخلاق ہے نہ کہ سازش اور دسیسہ کاری۔

سفر میرے لئے تجرباتی مطالعہ کے ہم معنی ہے۔ ہر سفر میں کچھ نئی باتیں دریافت ہوتی ہیں۔ موجودہ سفر میں جو نئی باتیں سمجھ میں آئیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ مغربی قوموں کی اخلاقیات کا راز کیا ہے۔ یہ سوال بہت عرصہ سے کیا جاتا رہا ہے کہ مشرقی قوموں کے مقابلہ میں مغربی قوموں میں جو بلند اخلاقی پائی جاتی ہے، اس کا راز کیا ہے۔

اس کا راز نہایت سادہ ہے اور وہ تجارت ہے۔ مثلاً مذکورہ واقعہ میں لفتھانسا ہوائی کمپنی اور اسلامی تعلیمی ادارہ میں اخلاقیات کا فرق کیوں ہے۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ لفتھانسا ایک تجارتی ادارہ ہے اور مذکورہ اسلامی ادارہ (دوسرے تمام اسلامی اداروں کی طرح) ایک ایسا ادارہ جو چندہ اور تبرعات پر چلتا ہے۔ اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ تجارت سے کردار پیدا ہوتا ہے اور چندہ سے بے کرداری۔

موجودہ زمانہ کے مسلمان بحیثیت قوم تجارت میں داخل نہ ہوسکے۔ اس لئے ان کے اندر وہ کردار بھی پیدا نہ ہوسکا جو ایک تاجر کے اندر لازمی طور پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ فرق چھوٹے پیمانہ پر ہندستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ ہندو ایک تاجر قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب کہ مسلمان موجودہ زمانہ میں تاجر قوم نہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں میں نسبتاً کردار ہے، جب کہ مسلمان ان کے مقابلہ میں کردار سے خالی ہیں۔

یہ فرق یورپ میں بہت زیادہ نمایاں ہوجاتا ہے۔ ہندو صرف ابتدائی درجہ کے تاجر ہیں۔ اس لئے ان میں ابتدائی درجہ کی اخلاقیات پائی جاتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مغربی قومیں (اور جاپان) زیادہ بڑے درجہ کے تاجر ہیں۔ تجارت میں وہ تمام قوموں سے بہت زیادہ آگے جاچکے ہیں۔ اس لئے ان میں کردار کی طاقت بہت بڑے پیمانہ پر پائی جاتی ہے۔

مسلمانوں میں کردار پیدا کرنے کے لئے ان کا ایمان کافی تھا۔ مگر موجودہ مسلمان ایک زوال یافتہ قوم ہیں۔ ان کے اندر وہ زندگی نہیں جو جاندار قوموں میں ہوتی ہے۔ اس

لئے ان کا ایمان ایک بے روح ایمان بن کر رہ گیا۔ اور بے روح ایمان اسی طرح اخلاقیات کو پیدا کرنے سے عاجز رہتا ہے جس طرح بنجر زمین لہلہاتی ہوئی فصل اگانے سے۔

ایرپورٹ کی انتظار گاہ میں میری کرسی کے قریب دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک شخص امریکی لہجہ میں بول رہا تھا۔ دوسرا کسی اور لہجہ میں۔ امریکی مسافر کسی تعلیمی ادارہ میں تھا اور بتا رہا تھا کہ میں اکثر کانفرنسوں میں جاتا رہتا ہوں۔ اس سلسلہ میں اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں کارروائیاں کرتا ہوں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو میرے پاس کانفرنسوں کے دعوت نامے نہیں آئیں گے۔ پھر میں کیا کروں گا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا کہ اس کے بعد تو میرے پاس کرنے کا کوئی کام ہی نہ ہوگا:

Otherwise I have no job.

عین یہی معاملہ زیادہ بری شکل میں ہمارے لیڈروں کا ہے۔ وہ ایک نہ ایک جھگڑے کا اشوکھڑا کرتے رہتے ہیں۔ کوئی مذہبی جھگڑا کرتا ہے، کوئی قومی جھگڑا، اور کوئی سیاسی جھگڑا۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر جھگڑے کا ماحول نہ ہو تو وہ بے روزگار (jobless) ہو جائیں گے۔

فرینکفرٹ میں ایک بہت بڑا تجارتی ادارہ "بزنس انفارمیشن سروس" کے نام سے قائم ہے۔ اس کا صدر دفتر ایرپورٹ سنٹر کی نویں منزل پر ہے، اور اس کی شاخیں ساری دنیا میں قائم ہیں۔

فرینکفرٹ ایرپورٹ پر اس تجارتی ادارہ کا ایک شاندار اشتہار تھا۔ اس میں یہ بتاتے ہوئے کہ ہم آپ کے بہترین تجارتی مشیر ہیں، یہ کہا گیا تھا کہ فلاں فلاں نمبر پر آپ ہم کو ٹیلیفون کر دیں، ہم خود آکر آپ کو اپنے مرکز میں لے جائیں گے:

Please call us...We will come to accompany you.

یہ دیکھ کر خیال آیا کہ کاش اسی طرح اسلامی دعوت کے مراکز جگہ جگہ قائم ہوتے اور ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا جاتا کہ —— آپ ہم کو مطلع کریں، ہمارے آدمی آپ کو اپنے ساتھ مرکز میں لائیں گے۔ تاکہ آپ یہاں آکر اسلام کا مطالعہ کر سکیں۔

فرینکفرٹ ایرپورٹ پر فنانشیل ٹائمز (۱۲ مئی ۱۹۹۰) پڑھا۔ اس میں ایک رپورٹ ٹیکس کی

ادائگی کے بارہ میں تھی۔ اس کا عنوان تھا: جب شادی مفید ہوتی ہے (When marriage pays)
اس میں بتایا گیا تھا کہ افراد عام طور پر یہ چاہتے ہیں کہ انھیں سرکاری ٹیکس کم سے کم ادا کرنا پڑے۔
موجودہ قوانین کے تحت اس کی ایک صورت نکاح ہے۔ ایک مستحکم اور پرمسرت ازدواجی زندگی
کم سے کم ٹیکس ادا کرنے کی ایک پیشگی شرط ہے:

A stable and happy marriage may be a prerequisite for paying the smallest amount of income and capital gains tax.

مغرب میں غیر شادی شدہ ازدواجی زندگی گزارنے کا عام رواج ہو گیا تھا۔ اس کے نتیجے
میں بے شمار سماجی خرابیاں پیدا ہوئیں۔ اب مغرب کے دانشور اپنے لوگوں کو اقتصادی محرک
بتا کر انھیں ازدواجی زندگی کی طرف لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں تجربات نے ثابت کیا ہے کہ مذہبی طرز زندگی ہی صحیح طرز زندگی ہے۔
مگر اس کے باوجود ابھی تک مذہب کی عظمت جدید دور میں قائم نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ مذہبی
لوگوں کا داخلی زوال ہے۔ اہل مذاہب کے اخلاقی اور عملی زوال نے مذہب کی نظریاتی صداقت
کی نفی کر رکھی ہے۔ اہل مذاہب کی عملی زبوں حالی مذہب کی نظریاتی عظمت کے اوپر ایک قسم کا
پردہ بن گئی ہے۔

فرینکفرٹ سے دہلی کے لئے لفتھانسا کی فلائٹ نمبر ۷۶۰ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ یہ مسلسل
ساڑھے سات گھنٹہ کی پرواز تھی۔ میں نے اپنے دہلی پہنچنے کا پیغام اگرچہ فیکس کے ذریعہ پہلے بھیج
دیا تھا۔ تاہم مزید احتیاط کے لئے آج میں نے جہاز کے عملہ کو ایک پیغام لکھ کر دیا کہ اس کو
دہلی کے ٹیلیفون نمبر پر منتقل کر دیں۔ انھوں نے فوراً میرا کاغذ لے لیا اور کہا کہ یہ پیغام ہم اپنے
دہلی کے آفس کو دوران پرواز بھیج دیتے ہیں۔ وہ دہلی میں آپ کے آفس کے ٹیلیفون نمبر پر مطلع
کر دیں گے۔

یہ ہوائی کمپنیوں کا عام دستور ہے۔ مسافر کی منزل پر اگر ہوائی کمپنی کا دفتر ہے تو وہ پرواز
سے پہلے یا دوران پرواز مسافر کا پیغام بھیج دیتے ہیں۔ یہ سہولت صرف اس وقت ہے جب کہ منزل
کے مقامی ٹیلیفون نمبر پر مطلع کرنا ہو۔ مثلاً وہ میرا پیغام دہلی کے ٹیلیفون نمبر پر بھیج سکتے ہیں۔ مگر وہ اس

کو بنارس کے ٹیلیفون نمبر پر نہیں بھیجیں گے۔ یہ سہولت لوکل کال کے لئے ہے۔ ٹرنک کال کے لئے نہیں۔

جہاز کے اندر لفتھانسا میگزین (Lufthansa Bordbuch) کا تازہ شمارہ مئی۔ جون ۱۹۹۰ دیکھا۔ اس کے صفحہ ۶۵ پر بتایا گیا تھا کہ لفتھانسا نے امریکہ کے لئے نان اسموکنگ پروازیں (non-smoking flights) حال میں شروع کی ہیں۔ اس میں مزید بتایا گیا تھا کہ امریکی حکومت نے حال میں اندرونی پروازوں پر تمباکو نوشی پر پابندی لگادی ہے :

> The U.S. Administration recently introduced a general ban on smoking on domestic routes under six hours.

ایک زمانہ تھا کہ تمباکو نوشی فیشن میں داخل ہوگئی۔ بڑے بڑے لوگ سگریٹ اور سگار کا دھواں نکالنے کو اپنی بڑائی کا نشان سمجھنے لگے تھے۔ مگر آج سائنسی تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ تمباکو نوشی صحت کے لئے سخت مضر ہے۔ چنانچہ اب مختلف طریقوں سے سگریٹ نوشی پر پابندی لگائی جارہی ہے۔

ہمارا جہاز ۲۹ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑتا ہوا تیزی سے دہلی کی طرف چلا جارہا ہے۔ میں نے کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھا تو سورج روشن تھا اور چاروں طرف اجالا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بعد اپنی گھڑی پر نظر گئی تو اس میں آٹھ بج رہے تھے۔ گویا اس وقت جب کہ ہندستان میں رات کے آٹھ بج چکے تھے، یہاں میں مکمل طور پر اجالے میں اپنا سفر طے کر رہا تھا۔

زمین پر اجالے اور اندھیرے کا یہ فرق سورج کے گرد زمین کی محوری گردش سے پیدا ہوتا ہے۔ اس دنیا میں ہر جگہ ایک ہی وقت میں شام یا ایک ہی وقت میں صبح نہیں ہوتی۔ بلکہ مختلف وقتوں میں ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی طرف قرآن میں مختلف انداز میں اشارے کئے گئے ہیں۔ انھیں میں سے ایک رب المشارق والمغارب (۷۰ / ۴۰) ہے۔ یعنی اس مالک کائنات کی قسم، جو زمین پر بے شمار مشرق اور بے شمار مغرب پیدا کرتا ہے۔

سورج کے گرد زمین کی گردش بلاشبہہ حیران کن حد تک ایک عظیم واقعہ ہے۔ یہ واقعہ خاموش زبان میں اعلان کر رہا ہے کہ اس کائنات کا مالک بے پناہ حکمت والا اور بے پناہ قدرت والا

ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو زمین کی یہ حیرت ناک گردش اتنی صحت کے ساتھ مسلسل قائم نہ رہ سکے۔

جہاز میں نیویارک کا انگریزی اخبار انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون (۱۲-۱۳ مئی ۱۹۹۰) دیکھا۔ اس کے صفحہ ۶ پر ایک مضمون تھا جس کا عنوان ان الفاظ میں قائم کیا گیا تھا:

From Kuwait to Algiers, A new political openness

مضمون میں دکھایا گیا تھا کہ مسلم ملکوں میں ہر جگہ پرو ڈیموکریسی موومنٹ ابھر رہی ہے۔ ۲۲ سال کے بعد دسمبر ۱۹۸۹ میں اردن میں الکشن ہوا۔ امیر کویت نے ۱۹۸۶ میں پارلیمنٹ توڑ دی تھی، اب کویت میں دوبارہ الکشن کے انعقاد کا اعلان کیا گیا ہے۔ اسی طرح تیونس اور الجیریا میں جون ۱۹۹۰ء میں میونسپل الکشن کئے جا رہے ہیں۔ وغیرہ۔

اس مضمون کے لکھنے والے مسٹر گولڈ اسٹین (Eric Goldstein) تھے۔ مذکورہ قسم کی مثالیں دیتے ہوئے انھوں نے لکھا تھا کہ اکثر عرب حکومتیں آزادانہ سیاسی سرگرمیوں کو ایک ایسی حد تک گوارا کر رہی ہیں جو پچھلے سالوں تک لامعلوم تھا:

Many Arab governments are tolerating independent political activity to an extent unknown in recent years.

مغرب کے دانشور آج کل اپنے آپ کو ایک نئے یقین کی حالت میں پا رہے ہیں۔ سوویت یونین میں کمیونسٹ نظام کی ناکامی اور جمہوری نظام کی طرف جھکاؤ نے ان کو یہ یقین دیا ہے کہ ان کا نظام زیادہ بہتر ہے۔ اب مسلم ملکوں میں جمہوریت کی طرف رجحان ان کے یقین میں مزید اضافہ کر رہا ہے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ تمام نظامات ختم ہو کر مغربی جمہوریت کے نظام کے لئے جگہ خالی کر دیں گے۔

اسلام نے انسانی تاریخ میں پہلی بار جمہوریت کے دور کا آغاز کیا تھا۔ مگر بعد کے دور میں مسلم حکمرانوں کے غیر جمہوری عمل نے غیر ضروری طور پر مغرب کو اس فخر کا موقع دے دیا کہ ان کے نظام کو (اسلام سمیت) تمام دوسرے نظاموں پر برتری حاصل ہے۔

اگر آپ جغرافی نقشہ کو اپنے سامنے رکھیں تو کاغذی نقشہ کے اعتبار سے میرے لئے سیدھی روٹ یہ نظر آئے گی: ڈکار۔ نیجر۔ جدہ۔ دہلی۔ یعنی افریقی علاقہ میں سفر کرتے ہوئے ایشیا میں داخل

ہو جاتا۔ مگر میں نے ڈکار ۔ جنیوا۔ فرینکفرٹ ۔ دہلی کا راستہ اختیار کیا۔ یعنی میں افریقہ سے یورپ گیا، اور یورپ سے لوٹ کر ایشیا کی طرف آیا۔

اس کی وجہ ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کا صنعتی پچھڑا پن ہے۔ آج کا زمانہ مواصلات (communications) کا زمانہ ہے۔ مگر مواصلات کے جدید ذرائع زیادہ تر مغربی ملکوں میں مہیا ہوتے ہیں۔ اس لئے ایشیا اور افریقہ کے درمیان روابط مغرب ہی کے واسطہ سے قائم ہوتے ہیں۔

موجودہ زمانہ کے مسلم رہنما آخری جو چیز جانتے تھے، وہ صرف سیاست تھی۔ اپنے روایتی ذہن کی بنا پر انھوں نے سیاست ہی کو سب کچھ سمجھا۔ وہ سیاست کے میدان میں مغرب سے ٹکراؤ کرتے رہے۔ وہ سائنس کی اہمیت سے بالکل بے بہرہ تھے۔ چنانچہ سیاست کے علاوہ باتوں کو وہ سمجھ نہ سکے اور نہ ان باتوں میں انھوں نے مسلمانوں کو بر وقت رہنمائی دی۔ موجودہ زمانہ کی پوری مسلم تاریخ میں کوئی ایک رہنما بھی ایسا نہیں جس کے اقوال و اعمال سے ثابت ہو کہ وہ سائنسی ذہن رکھتا تھا یا سائنس کی اہمیت سے واقف تھا۔

اسی غفلت کا یہ نتیجہ ہے کہ سیاسی زنجیروں سے رہائی کے باوجود تمام مسلم ممالک مغرب کی غیر سیاسی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ سائنس اور ٹکنالوجی میں اپنے پچھڑے پن کی وجہ سے وہ تمام جدید شعبوں میں مغرب کی مدد لینے پر مجبور ہیں۔

۱۳ مئی ۱۹۹۰ کو دہلی پہنچا۔ ایر پورٹ پر ایمگریشن سے فارغ ہو کر آگے بڑھا تو کسٹم کے مقام پر لوگوں کی دار و گیر ہو رہی تھی۔ ہر آدمی اپنا سامان لئے ہوئے کسٹم والوں کی پکڑ میں تھا۔ اور سامان کھول کھول کر ہر ایک کی جانچ کی جا رہی تھی۔ میں وہاں ایک لمحہ کے لئے ٹھہرا۔ فوراً ہی کسٹم کا ایک آدمی میری طرف متوجہ ہوا اور کہا: آپ جائیے، آپ جائیے۔ گیٹ کے باہر آیا تو وہاں ایک صاحب گاڑی کے ساتھ مجھے لے جانے کے لئے موجود تھے۔

میں نے سوچا تو یہ پورا معاملہ میرے ذہن میں قیامت کے واقعہ کی صورت میں ڈھل گیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے میں دنیا سے نکل کر قیامت کے میدان میں داخل ہوا ہوں۔ احتساب کے فرشتوں کو دیکھ کر رک جاتا ہوں۔ اچانک احکم الحاکمین کی طرف سے آواز آتی ہے کہ تم جاؤ، تم جاؤ۔ آگے بڑھتا ہوں

تو رحمت کے فرشتے استقبال کے لئے آجاتے ہیں تاکہ مجھ کو اپنے ساتھ لے جاکر "دار الخلد" میں پہنچا دیں
حدیث قدسی میں آیا ہے کہ انا عند ظن عبدی بی (میں بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں
کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اپنے عاجز بندے کے اس گمان کو پورا کر دے اور ایئر پورٹ کے دنیوی تجربے کو
میرے لئے آخرت کے حالے کی پیشگی خبر بنا دے۔

الرسالہ اور اسلامی مرکز کی مطبوعات مندرجہ ذیل پتوں سے حاصل کی جاسکتی ہیں:

Mr Ahmed Bakhtiaruddin
Statistics Deptt.
Ministry of Health
Riyadh 11176
Saudi Arabia
Tel. 4012220 Ext. 1461

FazLeesons Ltd.
Urdu Bazar
Karachi
Pakistan
Tel. 212289

Mr Khaja Kaleemuddin
1439 Ocean Ave, 4C,
Brooklyn
New York 11230
U.S.A.
Tel. 7182583435

Naqshe Kokan
Masalawa Building
2nd Floor
56, Tandel Street North
Dongri
Bombay 400 009
Tel. 864968

Kuslsum Mitab Ghar
9, Jama Masjid
Maulana Baba Lane
Bandra (West)
Bombay 400 050
Tel. 6425201, 6428589

Al-Risala Academy
3-5-780/19/2
King Kothi
Hyderabad 500 039
Tel. 231607

Tajamul Husain Khan
120 Lower Chitpur Road
Calcutta 700 073

Mohammad Illyas
91 Colootola Street
Calcutta 700 073

Abdullah News Agency
First Bridge, Lal Chowk
Srinagar 190 001
Kashmir

قومی نہ کہ اسلامی

موجودہ زمانہ میں مسلمان جہاں جہاں آباد ہیں، خواہ وہ اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں، ہر جگہ انھوں نے اسلام کے نام پر سرگرمیاں جاری کر رکھی ہیں۔ ان سرگرمیوں کو کچھ لوگ صحوہ اسلامیہ (اسلامی بیداری) کہتے ہیں۔ مگر یہ اس لفظ کا غلط استعمال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نام نہاد سرگرمیاں نہ تو صحوہ ہیں اور نہ اسلامیہ۔ اسلام کے نام پر ہونے والی ان سرگرمیوں کو صحیح طور پر صرف ایک نام دیا جا سکتا ہے، اور وہ منفی ردّ عمل ہے۔

ان سرگرمیوں کو گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو ان سب میں ایک چیز مشترک طور پر موجود ملے گی۔ اور وہ ہے کسی نہ کسی دوسرے گروہ کو اپنی بربادی کا ذمہ دار ٹھہرا کر اس کے خلاف لفظی یا عملی تحریک چلانا۔ کسی ملک میں یہ تحریک خود اپنے ملک کے مسلم حکمرانوں کے خلاف چل رہی ہے۔ جن کو یہ تحریک چلانے والے بددین یا دشمنوں کا ایجنٹ کہتے ہیں۔ کہیں یہ تحریک غیر مسلم قوم کے خلاف جاری ہے جو "مسلم دشمن" ہونے کی بنا پر ان تحریکوں کی حریف بنی ہوئی ہیں۔ کہیں کوئی حکمراں گروہ اسلامی قانون کی راہ میں رکاوٹ نظر آتا ہے، اس لیے اس کو اقتدار سے ہٹانے کے نام پر ہنگامے کیے جا رہے ہیں۔

صحوہ اسلامیہ کے تحت چلنے والی تمام تحریکوں کا نشانہ احتساب غیر ہے۔ جب کہ صحیح اسلامی تحریک وہ ہے جس کا نشانہ احتساب خویش ہو۔ یہی واقعہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ سرگرمیاں حقیقۃً صحوہ اسلامیہ کا معاملہ نہیں۔ یہ صرف ماحول کے خلاف منفی رد عمل ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

قومی ہنگاموں اور منفی ردّ عمل کو اسلام بتانا اور اس کو اسلامی اصطلاحوں میں بیان کرنا بلاشبہ جرم ہے۔ اور موجودہ زمانے میں مسلمانوں کے تمام رہنما اور دانشور اس جرم میں مبتلا ہیں۔ یہ عین وہی جرم ہے جس میں اس سے پہلے یہود مبتلا ہوئے۔ یہ قرآن کے الفاظ میں، آیات الٰہی کے بدلے ثمن قلیل خریدنا ہے۔ اور موجودہ زمانہ میں اسی کا نام استغلال (exploitation) ہے۔ یعنی قومی اور دنیوی سرگرمیوں کو مذہب کا نام دینا۔

محتسبِ اقوام یا خیر خواہِ اقوام

ایک مسلم رہنما نے لکھا ہے کہ مسلمان اپنے عقیدہ کی رو سے محتسبِ اقوام ہیں۔ ایک اور رہنما نے لکھا ہے کہ مسلمان تمام قوموں کے اوپر خدائی فوجدار ہیں۔ تقریباً ایک صدی سے یہی بات ایک یا دوسرے لفظ میں کہی جا رہی ہے۔ شاعر اور خطیب اور انشا پرداز قسم کے لیڈر اس بات کو نہایت جذباتی انداز میں بیان کرتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اب موجودہ مسلم نسل کا یہی عام ذہن بن گیا ہے۔ خاص طور پر مسلمانوں کا نوجوان طبقہ ہر جگہ اسی احساس حاکمیت سے سرشار نظر آتا ہے۔ اور یہی وہ خاص نفسیات ہے جس کے تحت مسلم نوجوان ساری دنیا میں ان سرگرمیوں میں مشغول ہیں جن کو وہ بطور خود انقلابی سرگرمی کہتے ہیں اور دوسرے لوگوں نے جس کو توڑ پھوڑ اور دہشت گردی کا نام دیا ہے۔

مگر مسلمان کی شخصیت کے بارہ میں یہ حاکمانہ نظریہ سراسر لغو ہے۔ اس کا قرآن و حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ مسلمان کی حیثیت اس دنیا میں محتسبِ اقوام کی نہیں ہے، بلکہ خیر خواہِ اقوام کی ہے۔ مسلمان کو دعوت کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے۔ مسلمان دوسری قوموں کے سامنے خدا کے دین کا داعی ہے۔ داعی روحانی ڈاکٹر ہوتا ہے۔ جس طرح ایک سچا ڈاکٹر خیر خواہی کی حد تک اپنے مریض کا خدمت گار ہوتا ہے۔ اسی طرح سچا داعی وہ ہے جو خیر خواہی کی حد تک لوگوں کی ہدایت کا حریص بن جائے۔

داعی کے لیے قرآن میں ناصح (خیر خواہ) اور امین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ داعی بیک وقت دو شدید احساس کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک طرف وہ سمجھتا ہے کہ وہ خدا کے دین کا امانت دار ہے۔ یہ احساس اس کے اندر آخری حد تک ذمہ داری کا جذبہ ابھار دیتا ہے۔ وہ اس ڈر سے کانپتا رہتا ہے کہ امانت کی ادائگی میں اگر ذرا بھی کوتاہی ہوئی تو وہ خدا کے یہاں پکڑا جائے گا۔ دوسری طرف بندوں کے ساتھ خیر خواہی کا احساس اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ہر تلخی کو اپنی ذات پر سہتے ہوئے مدعو کو خدا کی رحمتوں کے سایہ میں لانے کی کوشش کرے۔

اس طرح جو انسان بنے وہ خیر خواہِ اقوام ہوگا نہ کہ محتسبِ اقوام۔ وہ لوگوں کی نجات کے لیے تڑپے گا نہ کہ لوگوں کے اوپر حاکمانہ اختیار استعمال کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے۔

قرآنی تدبیر

از مولانا محمد منظور نعمانی

قرآن پاک کی ایک ہدایت ہے کہ جب کوئی تم سے برسرپیکار ہو اور تمہارے ساتھ برے طریقے سے پیش آئے تو تم اس کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرو اور خوب صورت طریقے پر اس کی بات کا جواب دو، اگر تم نے ایسا کیا تو جلد ہی دیکھو گے کہ دشمن تمہارا دلی دوست بن جائے گا۔

آگے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے اس کی توفیق صرف ان خوش نصیبوں کو ہوگی جو برداشت کی صفت یعنی اپنے نفس پر قابو رکھتے ہوں گے۔

یہ قرآن مجید کی آیت کا حاصل اور گویا لفظی ترجمہ ہے یقین ہے کہ جس کسی بندے نے بھی اس کی ہدایت پر عمل کیا ہوگا اس کو ضرور اس نتیجہ کا بھی تجربہ ہوا ہوگا جو قرآن مجید نے بتلایا ہے۔

ناچیز راقم سطور کو اعتراف ہے کہ اپنے مزاج کی فطری حدت یعنی تیزی اور نفس پر قابو نہ ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کی اس زریں ہدایت و تعلیم پر عمل کی توفیق بہت ہی کم نصیب ہوئی ہے لیکن جب کبھی اللہ کی توفیق سے اس پر عمل نصیب ہوگیا تو اسی وقت کھلی آنکھوں وہ نتیجہ دیکھ لیا جس کا وعدہ قرآن پاک کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اسی سلسلہ کا اپنا ایک تجربہ میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

اگست ۱۹۴۷ کا پہلا ہفتہ تھا۔ یاد ہے کہ رمضان المبارک کی ۱۸ تاریخ تھی۔ ناچیز راقم سطور کو ۱۴۔۱۵ ساتھیوں کے ساتھ لکھنؤ سے دلی جانا تھا۔

یہاں یہ بات بھی یاد کر لی جائے کہ یہ وقت وہ تھا جب کہ ہندستان میں ہندو مسلم کشیدگی آخر حد تک پہنچ چکی تھی۔ کلکتہ نوا کھالی اور بہار وغیرہ میں بڑے بڑے مہیب فساد ہو چکے تھے۔ اور بس ایک ہفتہ کے بعد ۱۵ اگست کو ملک کی باقاعدہ تقسیم عمل میں آنے والی تھی۔ اب تو ماشاء اللہ لکھنؤ اور دہلی کے درمیان براہ راست ۳، ۴ ٹرینیں چلتی ہیں اس وقت ایک ٹرین بھی لکھنؤ سے دہلی براہ راست نہیں جاتی تھی۔ کانپور، مرادآباد تبدیل کرنی پڑتی تھی۔ ہم نے براہ مرادآباد دہرہ ایکسپریس سے سفر طے کیا۔ لکھنؤ سے اس کی روانگی کا وقت اس وقت بھی وہی تھا جو آج ہے یعنی تقریباً ۸ بجے شام۔ اپنے سفری تجربہ کی بنا پر مجھے سب سے آگے والے ڈبہ میں جگہ ملنے کی زیادہ امید تھی۔ اس لئے ہم لوگ وہاں کھڑے ہو گئے جہاں اس ڈبہ کے پہنچنے کی توقع تھی۔

اور ساتھیوں میں سے چند کو مقرر کر دیا کہ ٹرین جیسے ہی آکر رکے وہ مستعدی سے ڈبہ میں گھسنے کی کوشش کریں۔ اور جو جگہ بھی خالی نظر آئے اس کو ساتھیوں کے لئے گھیر لیں۔ اس کی تاکید کر دی گئی کہ کسی کو ایذا نہ پہنچے اور جھگڑا نہ ہو۔ ٹرین آکر رکی۔ جیسا کہ میرا اندازہ تھا اگلے ڈبہ سے مسافروں کی خاصی تعداد اتری اور کافی جگہ خالی ہوئی۔ ہمارے وہ چند ساتھی قرارداد کے مطابق پھرتی سے ڈبے کے اندر پہنچ گئے اور خالی شدہ سیٹوں پر اپنے کپڑے بچھا کر جگہ محفوظ کر لی اور دوسرے ساتھی بھی اندر داخل ہو گئے۔ میں بھی پہنچ گیا۔

ایک سیٹ پر ایک ساتھی نے کپڑا بچھا دیا تھا۔ میں اسی کپڑے پر جا کر بیٹھ گیا۔ میرے برابر میں ایک اور ساتھی بیٹھ گئے۔ ایک پنڈت جی جو اسی ٹرین میں (صوبہ بہار کے کسی مقام سے آرہے تھے) اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ غالباً کسی ضرورت سے نیچے آئے وہ اندر آئے۔ زبان سے کوئی بات کہنے کے بجائے انھوں نے انتہائی اشتعال انگیز طریقہ پر ایک ہاتھ سے میرا بازو پورے زور سے پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے میرے دوسرے ساتھی کا۔ اس جگہ سے ہمیں اٹھانا چاہا۔ انھیں غالباً یہ اندازہ نہیں تھا کہ ہم لوگ اتنی تعداد میں ہیں۔ جیسے ہی انھوں نے یہ حرکت شروع کی میرے بعض ساتھیوں نے بڑھ کر انھیں پکڑ لینے کا ارادہ کیا۔ میں نے اپنے بعض ساتھیوں سے ڈانٹ کر کہا کہ ہر شخص اپنی جگہ پر بیٹھے اور بالکل خاموش بیٹھے۔ اگر کچھ بات کرنے کی ضرورت ہو گی تو میں خود کر لوں گا۔ اس کے بعد میں نے ان پنڈت جی سے نرمی سے کہا کہ آپ زبان سے فرمائیے کہ کیا بات ہے اور آپ کیا چاہتے ہیں۔ انھوں نے نہایت غصے کے ساتھ کہا آپ لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہیں، یہ میری جگہ ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ بھائی یہ بات تو آپ سہولت سے بھی کہہ سکتے تھے۔ آپ نیچے اتر گئے تھے۔ ہمارے ساتھیوں نے یہ جگہ خالی دیکھی تو انھوں نے کپڑا بچھا دیا اور میں آکر یہاں بیٹھ گیا۔ اگر آپ سیدھے طریقے سے یہ فرما دیتے کہ یہ جگہ آپ کی ہے، یہاں آپ بیٹھے تھے تو یہ آپ ہی کی جگہ ہے۔ آپ یہاں بیٹھ جائیے۔ میں نے یہ کہہ کر وہ جگہ خالی کر دی۔ پنڈت جی کے اس رویے پر میرے بعض ساتھیوں کو پھر گرمی آنے لگی۔ تو میں نے ان سے کہا۔

آپ لوگوں میں سے کسی کو بولنے کا حق نہیں۔ جب یہ اس جگہ پر پہلے سے بیٹھے تھے تو انھیں کی جگہ ہے۔ بات ختم ہو گئی اور میں نے پنڈت جی کا ہاتھ پکڑ کر اس جگہ پر ان کو بٹھا دیا۔ اور ساتھیوں کے ذہن کو دوسری طرف موڑنے کے لئے بحیثیت امیر قافلہ سفر کے اصول و آداب اور دعا وغیرہ کے بارے میں کچھ ہدایتیں دینا شروع کر دیں۔

ہم سب روزے سے تھے اور ٹرین کی روانگی کے صرف پانچ سات منٹ کے بعد افطار کا وقت ہونے والا تھا۔ ایک دوست جو ہم لوگوں کو صرف رخصت کرنے اسٹیشن آئے تھے، میں نے ان سے کہا کہ اگر اسٹیشن پر برف مل جائے تو ایک سیر آپ لا دیجئے۔ وہ دوست برف تلاش کرنے کے لئے چلے گئے۔ ہمارے وہ مہربان پنڈت جی بھی خاموشی کے ساتھ ڈبے سے اترے۔ ہمارے جو دوست برف تلاش کرنے کے لئے گئے تھے وہ ابھی واپس نہ آئے تھے کہ پنڈت جی پانچ سیر برف کہیں سے خرید لائے اور خاموشی کے ساتھ میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھ میں شرافت کی چمک اور ندامت کے آنسو تھے۔ انھوں نے اصرار کیا کہ قبول کر لو۔ میں نے کہا کہ سر آنکھوں پر، لیکن یہ بہت زیادہ ہے۔ آپ اس کی قیمت لے لیں مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ بالآخر میں نے قبول کر لیا۔ اب ٹرین لکھنو سے روانہ ہو گئی۔ میں پنڈت جی سے ذرا فاصلے پر اپنے ساتھیوں کے پاس بیٹھ گیا۔

پنڈت جی خود اٹھ کر آئے اور مجھ سے کہا کہ بہت غلطی ہوئی، آپ وہاں بیٹھئے جہاں پہلے بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں آرام سے بیٹھا ہوں آپ بلاتکلف اپنی جگہ بیٹھیں۔ وہ اس پر راضی نہیں ہوئے اور کہا کہ اگر آپ وہاں چل کر نہیں بیٹھیں گے تو میں بھی نہیں بیٹھوں گا۔ بالآخر میں اسی جگہ جا کر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد جب آفتاب غروب ہو گیا تو ہم لوگوں نے روزہ افطار کیا اور ٹرین ہی میں مغرب کی نماز باجماعت پڑھی۔ پنڈت جی ادب کے ساتھ نماز ختم ہونے تک کھڑے رہے، اپنی جگہ پر بیٹھے بھی نہیں۔ سلام پھیرنے کے بعد جب انھیں اس حالت میں دیکھا تو اصرار کر کے بیٹھایا پھر بھی وہ اس وقت تک ادب سے بیٹھے رہے جب تک ہم سنتوں اور نفلوں سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے کھانا کھایا۔ پھر کچھ دیر کے بعد عشاء کا وقت آ گیا ہم لوگوں نے جماعت سے عشاء کی نماز اور جماعت ہی سے تراویح بیس رکعت پڑھی۔ اس پورے وقت میں پنڈت جی اس ادب سے بیٹھے رہے گویا وہ بھی دل سے ہمارے ساتھ نماز میں شریک رہے۔

ڈبہ میں اتنی جگہ نہ تھی کہ ہم میں سے کوئی شخص سو سکے اوپر والی سیٹوں پر ان حضرات کے بستر لگے ہوئے تھے جو پہلے سے اس ٹرین پر سفر کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک بستر پنڈت جی کا بھی تھا۔ ان کے علاوہ جن لوگوں کے بستر تھے سب جا کر لیٹ گئے۔ پنڈت جی نے اوپر کے ایک بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ بستر میرا ہے اس پر آپ آرام کریں، میں نے کہا کہ پنڈت جی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اپنے بستر پر آپ خود آرام کریں گے۔ پنڈت جی نے کہا یا تو اس پر آپ سوئیں گے ورنہ میں بھی نہیں سوؤں گا اور یہ رات بھر خالی پڑا

رہے گا۔ جب میں نے پنڈت جی کا اصرار دیکھا اور اندازہ کر لیا کہ واقعتاً وہ ایسا ہی کریں گے تو میں نے کہا کہ آپ مجھے اختیار دے دیجئے۔ خواہ میں خود سوؤں یا کسی دوسرے کو سلاؤں تو انھوں نے مجھے اختیار دے دیا۔

ہمارے ساتھیوں میں ایک بھائی نصیر الدین تھے جن کی صحت ایکسی ڈنٹ کی وجہ سے بہت خراب ہو گئی تھی گویا ہمیشہ مریض ہی رہتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ بھائی نصیر تم سو جاؤ۔ پہلے انھوں نے معذرت کی پھر میں نے ان سے کہا کہ اچھا میں امیر قافلہ کی حیثیت سے آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ اس پر سو جائیں۔ چنانچہ وہ ہی سو ئے۔

مراد آباد میں ہمیں ٹرین تبدیل کرنی تھی۔ رات کے دو بجے کے قریب جب مراد آباد آیا تو ہم لوگوں کو پنڈت جی نے اس طرح رخصت کیا جس طرح وہ اپنے عزیز ترین رشتہ داروں یا دوستوں کو رخصت کرتے۔ میرے دل پر آج تک پنڈت جی کے رویہ کا گہرا اثر ہے۔

قرآن مجید کی جس ہدایت و تعلیم کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اگر اس پر عمل کرنے کی توفیق قرآن والوں کو ہو جائے تو روزانہ ایسے ہی تجربے ہوں اور دین و دنیا کے کتنے ہی بند دروازے ہمارے لئے کھل جائیں۔ (ہفت روزہ الجمعیۃ ۲۶ جولائی ۱۹۹۰)

خبر نامہ اسلامی مرکز ۶۷

۱ کلیم الدین صاحب نیو یارک میں رہتے ہیں۔ وہاں وہ الرسالہ کے مشن کو پھیلانے کا کام موثر انداز میں کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے مرکز کی تین کتابیں فوٹو کاپی کے ذریعہ چھاپی ہیں تاکہ ان کو بڑے پیمانہ پر پھیلائیں۔ وہ کتابیں یہ ہیں: اسلام پندرہویں صدی میں۔ سچا راستہ (انگریزی) اپنے آپ کو پہچان (انگریزی)

۲ لاس اینجلیز (امریکہ) کی اسلامک سوسائٹی کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے امریکہ کا سفر کیا۔ وہاں ان کے مختلف خطابات ہوئے۔ یہ سفر نومبر ۱۹۹۰ کے نصف ثانی میں ہوا۔ اس کی مفصل رپورٹ انشاء اللہ سفرنامہ میں شائع کر دی جائے گی۔

۳ بحرین کی وزارۃ العدل والشئون الاسلامیۃ کے تحت ایک عربی ماہنامہ الھدایۃ نکلتا ہے۔ اس کے شمارہ جمادی الاولی ۱۴۱۱ھ میں مرکز کی عربی کتاب "تجدید الدین" پر ۹ صفحہ کا مفصل تعارف شائع ہوا ہے۔ تبصرہ نگار دکتور کارم السید غنیم نے آخر میں لکھا ہے کہ: فاننا نری الکتاب الحالی من الاھمیۃ بمکان عظیم ویتوجب علیٰ کل مسلم غیور ان یتعرف علیٰ ماجاء فیہ (صفحہ ۱۷)

۴ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ عرب جو یورپ میں رہتے ہیں، وہ الرسالہ مشن سے متاثر ہو کر اس کو یورپ میں پھیلا رہے ہیں۔ الرسالہ انگریزی اور دوسری انگریزی مطبوعات منگا کر وہاں لوگوں کو پڑھنے کے لئے دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ الرسالہ انگریزی کے خاص مضامین فوٹو کاپی کر کے بڑی تعداد میں لوگوں کے درمیان تقسیم کر رہے ہیں۔ اس قسم کے پمفلٹوں کے نیچے حسب ذیل الفاظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں:

For further information, please contact:
Tareq El'Kurdi, 21 Wolesely St.
South Circular road, Dublin 8

۵ مامون ابراہیم صاحب نیو یارک میں رہتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ وہ الرسالہ انگریزی کے ذریعہ نیو یارک میں اسلام کی دعوت پہنچا رہے ہیں۔ بعض عیسائیوں نے ان کی کوشش سے اسلام قبول کر لیا ہے۔

۶ نواب خاں صاحب (غازی پور) نے بتایا کہ غازی پور کے علاقہ کم سارو بار جس میں تقریباً ۴۰ بستیاں ہیں، وہاں شادی بیاہ میں لوگ بہت اسراف کرتے تھے۔ الرسالہ کا فکر اس علاقہ میں پھیلا۔ اس کے نتیجہ میں وہاں شادی بیاہ کا طریقہ بدل گیا ہے اور بالکل سادہ انداز میں شادیاں ہونے لگی ہیں۔ الرسالہ سے متاثر لوگ اصلاحی کمیٹی بنا کر یہ کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح دوسرے مقامات کے لوگوں کو کرنا چاہئے۔

۷ مالک رام ایم اے ہندستان کے مشہور دانشور ہیں۔ وہ الرسالہ بہت پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ایک صاحب نے بتایا کہ ایک مجلس میں الرسالہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے انھوں نے کہا: الرسالہ آج کی دنیا میں بہت بڑا کام کر رہا ہے۔ اس نے قوم کی پوری فکر کو ری اورینٹیٹ (re-orientate) کر دیا ہے۔

۸ دارالسلام (تنزانیہ) کے مدرسۃ الثقافۃ الاسلامیۃ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ انھیں اسلامی مرکز کا انگریزی الرسالہ ملا اور وہ انھیں بہت پسند آیا۔ اب انھوں نے درخواست کی ہے کہ ان کے مدرسہ کو ہم اپنی میلنگ لسٹ میں شامل کرلیں اور انھیں اعزازی طور پر انگریزی الرسالہ برابر روانہ کریں (نطلب منکم ان تدرجو ا المدرسۃ فی قائمۃ المشترکین فی المجلۃ بالمجان وذالک لقلۃ امکاناتھا المالیۃ) اس طرح کے خطوط ہمیں ملتے رہتے ہیں۔ مگر مرکز کی طرف سے تمام لوگوں کو اعزازی طور پر الرسالہ بھیجنا ممکن نہیں۔ اگر کچھ لوگ تبلیغی جذبہ کے تحت اپنی طرف سے بدل اشتراک ادا کر کے جاری کرائیں تو مناسب ہوگا۔

۹ مالیگاؤں میں ایک روزنامہ نکلتا ہے۔ اس کا نام "شام نامہ" ہے۔ اس اخبار کے صفحات میں اکثر الرسالہ کے مضامین نقل کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اکثر مقامی اخبار اور رسالے الرسالہ کے مضامین چھاپ رہے ہیں۔

۱۰ جمیل احمد انصاری (مالیگاؤں) نے انجنیئرنگ کی تعلیم حاصل کی ہے۔ بمبئی میں ایک فرم میں ان کا انٹرویو تھا۔ انٹرویو لینے والے سب کے سب ہندو لوگ تھے۔ انھوں نے ایک سوال کیا کہ آپ کون سا میگزین پڑھتے ہیں۔ جمیل احمد انصاری صاحب نے کہا کہ "الرسالہ

منتقلی" انٹرویو لینے والوں نے کہا کہ یہ کون سا میگزین ہے، اس کا تو ہم نے نام بھی نہیں سنا۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایک تعمیری پرچہ ہے۔ اسی نے میرا ذہن بدل دیا۔ اس کی وجہ سے مجھے یہ حوصلہ ملا کہ آج میں یہاں انٹرویو دینے کے لئے آیا ہوں۔ یہ واقعہ رفیق لقمان انصاری صاحب (مالیگاؤں) نے بتایا۔

۱۱ مراکش کے ایک خط سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں ایک عرب اسکالر مرکز کے علمی منہج پر ریسرچ کر رہے ہیں اور اس پر اپنا مقالہ تیار کر رہے ہیں۔ ان کے عربی مقالہ کا موضوع (عنوان البحث) یہ ہے: الدراسة والمنهج لفكر وحيد الدين خان من خلال كتابه الاسلام يتحدى۔

۱۲ الرسالہ کے ہندی اڈیشن کا کام تیزی سے جاری ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی ہندی الرسالہ شائع ہونا شروع ہو جائے گا۔ ترجمہ کا کام مسٹر صغیر کرمانی (ایم اے ہندی) انجام دے رہے ہیں۔

۱۳ عرب حضرات کے اصرار پر تذکیر القرآن کے عربی ترجمہ کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ ابتدائی کئی پارہ تک ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ کام مولانا انیس لقمان ندوی مرکز کے تحت انجام دے رہے ہیں۔

۱۴ امراوتی سے ایک ہفت روزہ اخبار" باغبان " کے نام سے نکلتا ہے۔ وہ مستقل طور پر ہر اشاعت میں الرسالہ کے مضامین شائع کر رہا ہے۔ اسی طرح مختلف اخبارات و رسائل کبھی حوالہ کے ساتھ اور کبھی بغیر حوالہ الرسالہ کے مضامین نقل کرتے ہیں۔

۱۵ دہلی سے انگریزی میں ایک دو ماہی پرچہ نکلتا ہے۔ اس کا نام لوکاین بلیٹن (Lokayan Bulletin) ہے۔ اس کے شمارہ نومبر۔ دسمبر ۱۹۸۹ میں الرسالہ انگریزی کا ایک آرٹیکل مفصل نوٹ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اس طرح مختلف پرچے الرسالہ کے مضامین چھاپتے رہتے ہیں۔ اس کے ذریعہ سے الرسالہ کا پیغام مختلف حلقوں میں پہنچ رہا ہے۔

۱۶ اسلامی مرکز کی مطبوعات میں " اللہ اکبر" اور "عظمتِ قرآن" کے نسخے کافی عرصہ سے ختم ہو چکے تھے۔ دونوں کتابیں دوبارہ چھپ کر آگئی ہیں۔ اسی طرح "تجدید دین " اور "عقلیاتِ اسلام" کے نئے اضافہ شدہ ایڈیشن تیار کیے گئے ہیں جن کی ضخامت پہلے کے مقابلہ میں تقریباً دوگنی ہوگئی ہے

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر خدا کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

۴۔ صاحب استطاعت افراد کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ ایک سال یا چھ ماہ کی مجموعی رقم پیشگی روانہ کر دیں اور الرسالہ کی مطلوبہ تعداد ہر ماہ ان کو سادہ ڈاک سے یا رجسٹری سے بھیجی جاتی رہے۔ ختم مدت پر وہ دوبارہ اسی طرح پیشگی رقم بھیج دیں۔

۵۔ ہر ایجنسی کا ایک حوالہ نمبر ہوتا ہے۔ خط و کتابت یا منی آرڈر کی روانگی کے وقت یہ نمبر ضرور درج کیا جائے۔

زرتعاون الرسالہ

قیمت فی شمارہ	۵ روپیہ
زرتعاون سالانہ	۶۰ روپیہ
خصوصی تعاون سالانہ	۳۰۰ روپیہ
بیرونی ممالک کے لیے	
ہوائی ڈاک (سالانہ)	۲۵ ڈالر امریکی
بحری ڈاک (سالانہ)	۱۵ ڈالر امریکی
خصوصی تعاون سالانہ	۱۰۰ ڈالر امریکی

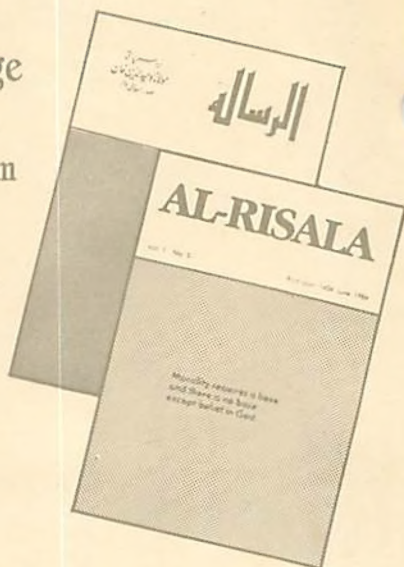
ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلیشر مسئول نے نائس پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی۔ ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

ISLAM

In Contemporary Language

AL-RISALA monthly has a two-fold aim: first, to introduce Islam as a divine message; second, to promote positive and constructive thinking among the people. It is published in Urdu and English by the Islamic Centre, New Delhi.

To receive your copies of this thought-provoking magazine regularly, subscribe NOW.



Ask for a free sample copy.

Please send AL-RISALA to me/my friend/relative at the following address:

Name: ____________________

Address: ____________________

____

____

Please send a free sample copy of AL-RISALA at the following address:

____

____

____

(Please use a separate sheet for more than one address)

☐ Please send a publications catalogue

Please tick box where applicable

☐ Urdu ☐ 1 year ☐ 3 years
☐ English ☐ 2 years ☐ 5 years
☐ Air-mail ☐ Surface-mail

I am enclosing Cheques/Bank Draft/Postal Order/M.O. Receipt No. ________

Subscription Rates

INLAND	ABROAD AIRMAIL	ABROAD SURFACE MAIL
1 year Rs 60	Rs 400/$25/£15	Rs 200/$15/£8
2 years Rs 110	Rs 700/$45/£25	Rs 350/$25/£15
3 years Rs 150	Rs 1000/$65/£40	Rs 500/$35/£20
5 years Rs 240	Rs 1500/$100/£60	Rs 750/$55/£30

Pakistan Rs 150 for one year

Supporting Subscription (For One Year)

INLAND..........Rs 300
ABROAD (By Air-mail)..........$100/£60

Please send this together with the payment to the Circulation Manager.
AL-RISALA, The Islamic Centre, C-29 Nizamuddin West, New Delhi 110 013 (India)

RNI 28822/76 □ December 1990 No. 169 □ Rs. 5

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن جلد اوّل	Rs 150/-
" " جلد دوم	150/-
اللہ اکبر	40/-
پیغمبر انقلاب	35/-
مذہب اور جدید چیلنج	40/-
عظمت قرآن	25/-
دین کامل	45/-
الاسلام	35/-
ظہور اسلام	35/-
اسلامی زندگی	25/-
احیاء اسلام	20/-
رازحیات (مجلد)	55/-
صراط مستقیم	35/-
خاتون اسلام	40/-
سوشلزم اور اسلام	35/-
اسلام اور عصر حاضر	25/-
حقیقت حج	30/-
اسلامی تعلیمات	25/-
اسلام دور جدید کا خالق	20/-
رشدیات	
تعمیر کی طرف	8/-
راہ عمل	
تبلیغی تحریک	20/-
میوات کا سفر	30/-
اقوال حکمت	20/-
تعبیر کی غلطی	45/-

دین کی سیاسی تعبیر	15/-
دین کیا ہے	4/-
قرآن کا مطلوب انسان	10/-
تجدید دین	
اسلام دین فطرت	5/-
تعمیر ملت	5/-
تاریخ کا سبق	5/-
مذہب اور سائنس	
عقلیات اسلام	
فسادات کا مسئلہ	4/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
تعارف اسلام	4/-
اسلام پندرھویں صدی میں	4/-
راہیں بند نہیں	5/-
ایمانی طاقت	5/-
اتحاد ملت	5/-
سبق آموز واقعات	5/-
زلزلۂ قیامت	7/-
حقیقت کی تلاش	5/-
پیغمبر اسلام	4/-
آخری سفر	5/-
اسلامی دعوت	5/-
خدا اور انسان	5/-
حل یہاں ہے	8/-
سچا راستہ	4/-
دینی تعلیم	5/-

حیات طیبہ	5/-
باغ جنت	5/-
نار جہنم	5/-

الرسالہ کیسٹ

نمبر۱ ایمان	25/-
نمبر۲ جدید امکانات	25/-
نمبر۳ اسلامی اخلاق	25/-
نمبر۴ اتحاد	25/-
نمبر۵ تعمیر ملت	25/-
نمبر۶ سنت رسول	25/-
نمبر۷ میدان عمل	25/-
نمبر۸ پیغمبرانہ رہنمائی	25/-
الرسالہ مجلد فی جلد	75/-

God Arises	Rs 60/-
Muhammad The Prophet of Revolution	65/-
Religion and Science	30/-
Tabligh Movement	20/-
The Way to Find God	5/-
The Teachings of Islam	6/-
The Good Life	6/-
The Garden of Paradise	6/-
The Fire of Hell	6/-
Muhammad The Ideal Character	5/-
Man Know Thyself!	5/-

مکتبہ الرسالہ سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳